جلد ۸۰ جنوری، فروری ۱۹۹۶ء شمارہ - ۱

اس شمارے میں

ناشر: احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) یو ایس اے

پتہ: ۱۳۱۵ کنگز گیٹ روڈ، کولمبس، اوہائیو ۱۵۰۴۔۴۳۲۲۱ (یو ایس اے)

www.aaiil.org

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی دینی خدمات

(۶)

۲۶۔ نجات کے لئے توحید الٰہی کے علاوہ نبی کریم صلعم پر ایمان لانے کی ضرورت:۔ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ لا الہ الا اللہ ایک دعویٰ ہے اور محمد رسول اللہ اس کی دلیل ہے۔ اس لئے توحید الٰہی کے ساتھ نبی کریم صلعم پر ایمان لانا ضروری ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کی کتاب "حقیقتہ الوحی" کے صفحات ۱۱۱ تا ۱۱۷ سے اقتباسات پیش کر دئے جائیں۔ سنئے فرماتے ہیں "اگرچہ زمین و آسمان پر غور کر کے اور ان کی ترتیب ابلغ اور محکم پر نظر ڈال کر ایک صحیح الفطرت اور سلیم العقل انسان دریافت کر سکتا ہے کہ اس کارخانہ پر حکمت کا بنانے والا کوئی ضرور ہونا چاہئے لیکن اس فقرہ میں کہ ضرور ہونا چاہئے اور اس فقرہ میں کہ واقعی وہ موجود ہے بہت فرق ہے۔ واقعی وجود پر اطلاع دینے والے صرف انبیاء علیہم السلام ہیں۔ جنہوں نے ہزارہا نشانوں اور معجزات سے دنیا پر ثابت کر دکھایا کہ وہ ذات جو مخفی در مخفی اور تمام طاقتوں کی جامع ہے در حقیقت موجود ہے۔" آگے چل کر لکھتے ہیں "پس چونکہ قدیم سے اور جب سے کہ دنیا پیدا ہوئی ہے خدا کا شناخت کرنا نبیؑ کے شناخت کرنے سے وابستہ ہے اس لئے یہ خود غیر ممکن اور محال ہے کہ بجز ذریعہ نبیؑ کے توحید مل سکے۔" پھر فرماتے ہیں۔ "پس اس میں شک نہیں کہ توحید اور خدا دانی کی متاع رسول کے دامن سے ہی دنیا کو ملتی ہے۔ بغیر اس کے ہرگز نہیں مل سکتی اور اس امر میں سب سے اعلیٰ نمونہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھایا کہ ایک قوم جو نجاست پر بیٹھی ہوئی تھی ان کو نجاست سے اٹھا کر گلزار میں پہنچا دیا اور وہ جو روحانی بھوک اور پیاس سے مرنے لگے تھے ان کے آگے روحانی اعلیٰ درجہ کی غذائیں اور شیریں شربت رکھ دئے۔ ان کو وحشیانہ حالت سے انسان بنایا۔ پھر معمولی انسان سے مہذب انسان بنایا پھر مہذب انسان سے کامل انسان بنایا اور اس قدر ان کے لئے نشان ظاہر کئے کہ ان کو خدا دکھلایا دیا۔ اور ان میں ایسی تبدیلی پیدا کر دی کہ انہوں نے فرشتوں سے ہاتھ جا ملائے۔ یہ تاثیر کسی اور نبیؑ سے اپنی امت کی نسبت ظہور میں نہ آئی کیونکہ ان کے صحبت یاب ناقص رہے۔" پھر فرماتے ہیں۔ "ہم کافر نعمت ہوں گے اگر اس بات کا اقرار نہ کریں کہ توحید حقیقی ہم نے اسی نبیؑ کے ذریعہ سے پائی اور زندہ خدا کی شناخت ہمیں اسی کامل نبیؑ کے ذریعے سے اور اس کے نور سے ملی ہے۔ اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات کا شرف جس سے ہم اس کا چہرہ دیکھتے ہیں اسی بزرگ نبیؑ کے ذریعہ سے ہمیں میسر آیا ہے۔" پھر فرماتے ہیں "ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ یوں تو شیطان بھی خدا کو واحد لاشریک سمجھتا ہے مگر صرف واحد سمجھنے سے نجات نہیں ہو سکتی بلکہ نجات تو دو امر پر موقوف ہے (۱) ایک یہ کہ یقین کامل کے ساتھ خدا تعالیٰ کی ہستی اور وحدانیت پر ایمان لاوے (۲) دوسرے یہ کہ ایسی محبت حضرت احدیت جل شانہ کی اس کے دل میں جاگزین ہو کہ جس کے استیلا اور غلبہ کا یہ نتیجہ ہو کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت عین اس کی راحت جان ہو جس کے بغیر وہ جی ہی نہ سکے اور اس کی محبت تمام اغیار کی محبتوں کو پامال اور معدوم کر دے۔ یہی توحید حقیقی ہے کہ بجز متابعت ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حاصل ہی نہیں ہو سکتی۔"

۲۷۔ نبی کریم صلعم جامع کمالات انبیاء اور افضل الرسل ہیں:۔ اگرچہ ایمان کے رنگ میں بہت سے مسلمان یہی

عقیدہ رکھتے چلے آتے ہیں لیکن اندر ہی اندر اور عملاً ہمارے علماء نے آنحضرت صلعم پر دیگر انبیاء کو طرح طرح کی فضیلت دے رکھی تھی اور بعض نے تو یہاں تک غضب کر دیا تھا کہ نہایت لغو اور جھوٹی روایات کی بنا پر بعض کمزوریاں تک نعوذ باللہ آنحضرتؐ کی طرف منسوب کر رکھی تھیں۔ حضرت مرزا صاحب نے ان عام لغو روایات کا قلع قمع کر کے دکھا دیا اور ان بے سروپا باتوں کی حقیقت کو طشت ازبام کر کے مختلف انبیاء کی آنحضرت صلعم پر فرضی فضیلتوں کا خاتمہ کر دیا اور کھول کر دکھا دیا کہ ہر ایک خوبی اور ہر ایک انعام جو کسی نبی کو خدا کی طرف سے ملا ہے وہ بہ وجہ احسن اور اتم اور اکمل ہمارے نبی کریمؐ کو دیا گیا ہے اور یہ زبانی خوش عقیدگی کے رنگ میں نہیں فرمایا بلکہ صفحوں کے صفحے ان پر لکھ کر ان امور کو پایہ ثبوت تک پہنچا کر دکھا دیا۔ پھر آنحضرتؐ کی شان کے متعلق جو کچھ معترضین کے جواب میں لکھا وہ اپالوجی یعنی معذرت کے رنگ میں نہیں لکھا کہ آنحضرتؐ کی بعض باتوں کے لئے کوئی عذر تلاش کرنے بیٹھ گئے یا الزامی رنگ کا جواب دے کر پیچھا چھڑایا۔ نہیں، بلکہ جو کچھ قرآن اور حدیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے ان کو ایسی صحیح اور معقول شکل میں پیش کیا کہ نہ صرف یہ کہ وہ تمام اعتراضات اڑ گئے بلکہ وہ بات جسے معترضین نے محل اعتراض بنا رکھا تھا۔ بہترین خلق ثابت ہوئی۔ جو اللہ تعالیٰ نے سورہ ۶ انعام آیت ۹۰ میں فرمایا ہے **فَبِهُدٰاهُمُ اقْتَدِهْ** کہ (ترجمہ) "سو ان کی ہدایت کی پیروی کر۔" تو اس سے حضرت مرزا صاحب نے اپنی کتاب "چشمہ مسیحی" صفحہ ۴۰ پر استدلال کیا "پس ظاہر ہے کہ جو شخص ان تمام متفرق ہدایتوں کو اپنے اندر جمع کرے گا اس کا وجود ایک جامع وجود ہو جائے گا اور تمام نبیوں سے وہ افضل ہو گا۔"

حضرت مرزا صاحب نبی کریمؐ کو سچے دل سے تمام اخلاق فاضلہ کا جامع اور صداقت کا آفتاب مانتے تھے اور آپ کی راستبازی کو ظاہر و باہر اور غیروں کی تصدیق سے بے نیاز سمجھتے تھے۔ البتہ آپؐ کی تصدیق کرنے والے کو اس سے نفع پہنچ جاتا ہے کہ اسے اپنے بیان میں سچا ماننا پڑتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب کا ایک شعر سنئے۔

اگر خواہی دلیلے عاشقش باش
محمدؐ ہست برہان محمدؐ

حضرت مرزا صاحب نبی کریم صلعم کو افضل الرسل محض خوش عقیدگی کے رنگ میں نہیں مانتے تھے بلکہ اس کو دلائل اور براہین سے آپ نے ہمیشہ ثابت کیا۔ اس مضمون پر آپ کی کثرت سے تحریریں موجود ہیں۔ بطور نمونہ یہاں دو پیش کی جاتی ہیں۔ پہلی تحریر "آئینہ کمالات اسلام" صفحہ ۱۶۴ پر ہے۔ سنئے:-

"قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ○ (سورہ ۶ انعام آیات ۱۶۲، ۱۶۳) یعنی ان کو کہہ دے کہ میری نماز اور میری پرستش اور میری جدوجہد اور میری قربانیاں اور میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا سب خدا کے لئے اور اس کی راہ میں ہے۔ وہی خدا جو تمام عالموں کا رب ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں اول المسلمین ہوں یعنی دنیا کی ابتدا سے اس کے اخیر تک میرے جیسا اور کوئی کامل انسان نہیں جو ایسا اعلیٰ درجہ کا فنافی اللہ ہو۔۔۔ اس آیت میں ان نادان موحدوں کا رد ہے جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسرے انبیاء پر فضیلت کلی ثابت نہیں۔"

دوسری تحریر "براہین احمدیہ" صفحہ ۵۰۸ پر ہے۔ سنئے:-

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام اخلاق فاضلہ کا جامع ہے جو نبیوں میں متفرق طور پر پائے جاتے ہیں اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمایا اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (سورہ ۶۸ قلم آیت ۴) (ترجمہ) تو خلق عظیم پر ہے۔ اور عظیم کے لفظ کے ساتھ جس کی تعریف کی جائے وہ عرب کے محاورے میں اس چیز کے انتہائی کمال کی طرف اشارہ ہوتا

ہے۔ ایسا ہی اس آیت کا مفہوم ہے کہ جہاں تک اخلاق فاضلہ اور شمائل حسنہ نفس انسانی کو حاصل ہو سکتے ہیں وہ تمام اخلاق کاملہ تامہ نفس محمدیؐ میں موجود ہیں۔ سو یہ تعریف ایسی اعلیٰ درجہ کی ہے جس سے بڑھ کر ممکن نہیں اور اسی کی طرف اشارہ ہے جو دوسری جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمایا وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیکَ عَظِیْمًا (سورہ نساء ۴ آیت ۱۱۳) یعنی تیرے پر خدا کا سب سے زیادہ فضل ہے اور کوئی نبی تیرے مرتبہ تک نہیں پہنچا۔"

اسی مضمون کا حضرت مرزا صاحب کا ایک اور شعر سنئے:-

امی و در علم و حکمت بے نظیر
زیں چہ باشد حجتے روشن ترے

۲۸۔ حضرت نبی کریمؐ کو ہر پہلو سے خاتم الانبیاء اور زندہ نبی ثابت کیا:- مسلمان عام طور پر نبی کریمؐ کو آخری نبی تو مانتے ہیں لیکن اس میں کئی طرح کے نقص تھے۔ حضرت مرزا صاحب اس کے بالمقابل نبی کریمؐ کو کامل طور پر خاتم الانبیاء اور زندہ نبی مانتے ہیں۔ اس لئے ختم نبوت کو ہر پہلو سے مکمل کرنے کے لئے آپ نے ذیل کے نقائص کا تدارک کیا:-

(۱) عام طور پر مسلمان (اپنے علماسمیت) اس بات کے قائل تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر بیٹھے ہیں اور آخری زمانے میں زمین پر اتریں گے اور چالیس سال تک نبوت کریں گے۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ آنحضرتؐ کا فیضان نبوت قیامت تک نہ زندہ رہ سکا اور اس لئے خدا تعالیٰ کو ایک بنی اسرائیلی نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ بھیجنا پڑا۔ پھر آخری نبی حضرت عیسےٰؑ ہوتے نہ کہ نبی کریمؐ۔ حضرت مرزا صاحب نے قرآن شریف کی تیس آیتوں سے ثابت کیا کہ حضرت عیسےٰؑ فوت ہو چکے ہیں اور قرآن شریف کی صریح تعلیم کے مطابق مردے واپس دنیا میں نہیں آتے۔ سرینگر میں ان کی قبر کا پتہ بھی دیا۔ اس لئے حضرت عیسےٰؑ کے دوبارہ نزول کا عقیدہ غلط ہے اور نبی کریمؐ ہی آخری نبی ہیں۔

(۲) دوسرا نقص یہ تھا کہ مسلمانوں نے ختم نبوت کے دعوے کو تسلی بخش دلائل سے مدلل نہ کیا ہوا تھا۔ یہ کام حضرت مرزا صاحب نے کیا ان کے چند دلائل درج ذیل ہیں:-

(ا) نبی کریمؐ پر جو کتاب قرآن کریم نازل ہوئی اس نے ہدایت اور شریعت کو کمال تک پہنچا دیا لہذا کسی اور کتاب کسی اور نبی کی کوئی ضرورت باقی نہ رہی۔

(ب) نبی کریمؐ کی ذات بابرکات میں وہ تمام کمالات انسانی تکمیل کے انتہائی نقطہ تک پہنچ گئے جو پچھلے انبیاء سے وقتاً فوقتاً علیحدہ علیحدہ ظہور میں آئے۔ اس لئے اور کسی نبی کے آنے کی ضرورت نہ رہی۔ حضرت مرزا صاحب کا شعر ہے۔

ختم شد بر ذات پاکش ہر کمال
لا جرم شد ختم ہر پیغمبرے

(ج) نبی کریمؐ کی لائی ہوئی کتاب اور شریعت اور حضورؐ کے کامل نمونہ کی حفاظت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے کامل طریقہ پر ہوئی کہ کسی نئے نبی یا نئی کتاب کی ضرورت نہ رہی۔

(د) نبی کریمؐ زندہ نبی ہیں کیونکہ آپ کا فیضان نبوت قیامت تک جاری ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ کے متبعین میں بکثرت ایسے بزرگ ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے جو اللہ تعالیٰ سے تعلق پکڑتے ہیں اور اس کی معرفت و محبت اور قرب اور شرف مکالمہ و مخاطبہ سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔ پھر کسی نئے نبی کی کیا ضرورت رہی؟۔

(۳) تیسرا نقص یہ تھا کہ نبی کریمؐ سے پہلے جو انبیاء گذرے ہیں ان کے فیضان کے ختم ہو جانے کا کیا ثبوت ہے۔ اگر ان کا فیضان بھی جاری ہے تو پھر ہر ایک قوم کے لئے ان کا اپنا آخری نبی خاتم الانبیاء ٹھہرے گا۔ اسی لئے حضرت مرزا صاحب نے اس بات پر بڑا

زور دیا کہ اب صرف آنحضرتؐ کا فیضان ہی جاری ہے باقی سب انبیاء کا ختم ہوگیا۔ ثبوت کے طور پر آپ نے اپنی ذات کو پیش کیا کہ میں نے آنحضرتؐ کی اتباع کے فیضان سے خدا کے قرب کو پا لیا اور مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کا شرف حاصل کیا۔ اگر کسی دوسرے مذہب کے کسی نبی کا ایسا فیضان جاری ہے تو کوئی ایسا وجود پیش کریں جس نے اس نبی کے اتباع سے مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کا شرف حاصل کیا ہو۔ آپ نے بڑے زور سے بارہا چیلنج دیا کہ وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتے کیونکہ آج اسلام کے سوا کوئی زندہ مذہب نہیں اور محمد رسول اللہ صلعم کے سوا اب کوئی زندہ نبی نہیں جس کا فیضان نبوت جاری ہو۔ کسی مذہب کی طرف سے آپ کے چیلنج کو قبول کرنے کی جرات نہیں ہوئی۔ ایک واقعہ سنئے۔ لاہور کے بشپ لیفرائے نے مسلمانوں کو "زندہ رسول" پر مناظرہ کے لئے چیلنج دیا تھا۔ مسلمانوں نے پہلے تو مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو بلایا لیکن وہ ٹال گئے تو فہمیدہ طبقے نے سمجھ لیا کہ حضرت عیسیٰ کو زندہ آسمان پر بیٹھا کر عیسائیوں سے مناظرہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے انہوں نے حضرت مرزا صاحب کی طرف رجوع کیا۔ چنانچہ مناظرہ کے دن جب حضرت مرزا صاحب کا مضمون "زندہ رسول" پر پڑھا گیا جس میں حضرت مرزا صاحب نے اپنے دلائل دئے جن میں سے بعض کا ذکر اوپر ہو چکا اور اپنا چیلنج دہرایا تو بشپ لیفرائے کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی اور ادھر ادھر کی باتین بنا کر بیٹھ گیا۔ لیکن حضرت مرزا صاحب نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا اور اسے دوبارہ "معصوم نبی اور زندہ رسول" پر مناظرہ کے لئے بڑا زبردست چیلنج دیا لیکن بشپ نے راہ فرار اختیار کی۔

اس مضمون پر حضرت مرزا صاحب کی ذیل کی تحریر سنئے جو آپ کی کتاب "کشتی نوح" کے صفحہ ۱۳ پر درج ہے:-

"نوع انسان کے لئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ و جلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ۔ اور یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہیں جو مرنے کے بعد ظاہر ہوگی۔ بلکہ حقیقی نجات وہ ہے کہ اسی دنیا میں اپنی روشنی دکھلاتی ہے۔ نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے کہ خدا سچ ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے۔ اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اور کتاب ہے۔ اور کسی کے لئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لئے زندہ ہے اور اس کے ہمیشہ زندہ رہنے کے لئے خدا نے یہ بنیاد ڈالی کہ اس کے افاضہ تشریعی اور روحانی کو قیامت تک جاری رکھا۔ اور آخر کار اس کی روحانی فیض رسانی سے اس مسیح موعود کو دنیا میں بھیجا۔"

اسلام میں تصوف

(۲)

تصوف ایک باقاعدہ سائنس ہے

از مولانا آفتاب الدین احمد

انگریزی لفظ Mysticism جو کہ انگریزی زبان میں تصوف یا اسلام کے اس پہلو کو بیان کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے کچھ گمراہ کن ہے! اس انگریزی لفظ کا مفہوم کچھ مبہم سا ہے جب کہ تصوف ایک باقاعدہ سائنس ہے جس کے باقاعدہ قاعدے، قانون اور تفصیلات پہلے سے طے شدہ ہیں۔ اس کی بنیاد ایسے محسوس روحانی تجربات و مشاہدات پر ہے جو کہ کسی بھی اور سائنس کی طرح مخصوص حالات میں دوبارہ وجود میں لائے جاسکتے ہیں۔ ہر سالک کو اپنے روحانی تگ و دو میں ایک جیسی منزلوں سے گزرنا ہوتا ہے اور یہ متعدد منزلیں بڑی آسانی سے پہچانی جاتی ہیں کیونکہ تصوف کے بانیوں اور ماہرین نے انہیں بہت تفصیل سے بیان کر دیا ہے اور راستہ کی مشکلات، خطرات اور خاص نشانات کی مکمل تفصیل بھی اس کے اساتذہ نے بیان کی ہیں۔ حصول علم کی کسی بھی شاخ کی طرح تصوف میں بھی طالب علم کی صلاحیت اور ترقی کو جانچنے کے لئے طریقے موجود ہیں اور کسی اور سائنسی شاخ کی طرح مطالعہ کی اس شاخ میں بھی غیر معمولی تخلیقی صلاحیت رکھنے والی شخصیتیں پیدا ہوتی ہیں جو دنیا میں تہلکا مچا دیتی ہیں مگر ادنی سے ادنی سالک کو بھی اس بات کی امید ہوتی ہے کہ اس مادی زندگی کی تگ و دو میں بھی خدا کی ذات کی موجودگی کا احساس اس میں ضرور ترقی کرے گا! وہ اس صوفیانہ کلچر کا ذوق پیدا کر لیتا ہے اور جو بھی اس راہ کے سالک ہیں ان میں وہ دلچسپی لینے لگتا ہے اور اس طرح وہ اپنے نفسانی جوشوں اور حرص و ہوا پر زیادہ سے زیادہ قابو پا لیتا ہے۔ ظاہر ہے یہی وہ طریق ہے جس کے ذریعے معاشرے میں صحیح امن قائم ہو سکتا ہے اور جس کی اس وقت سخت ضرورت ہے۔

جہاں تک زیادہ انعام یافتہ سالکوں کا تعلق ہے۔ تو ان کے بغیر تو خدا صرف ایک تصور رہ جاتے گا۔ یہ ان کے ذاتی روحانی تجربات و مشاہدات ہی ہیں جنھوں نے خدا کی ہستی کو ایک قابل محسوس تجرباتی سچائی بنا دیا ہے اور باشعور انسانوں کو حیات بعد الموت پر یقین رکھنے پر آمادہ کیا ہے!

یہی لوگ ہیں جو کہ ایک غیر فانی اور ابدی زندگی پر ایمان کو فروزاں کرتے ہیں اور جن کی وجہ سے موت کا ڈر دل سے نکل جاتا ہے اور ایک اوسط درجہ کا شخص زندگی کے حقیقی حسن کو دیکھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ خدا تعالیٰ کے ساتھ مکالمہ مخاطبہ کے تعلقات پیدا کر کے حق الیقین کے مرتبہ پر پہنچ جاتے ہیں اور اس طرح حضور صلعم کے خلفاء کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ انہی لوگوں کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ عُلَمَاءُ اُمَّتِی کَاَنْبِیَاءِ بَنِی اِسْرَائِیْلَ (یعنی میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند ہیں!) یا پھر دوسری حدیث کہ "علماء انبیاء کے وارث ہیں" بھی انہیں کے متعلق ہے۔

چونکہ شریعت قرآن کریم کی صورت میں مکمل ہو چکی ہے اس لئے حضور صلعم کے بعد کسی نبی کی ضرورت نہیں۔ بایں ہمہ ایسی نورانی ہستیوں کا وجود ہونا چاہیئے تاکہ وہ خدا کی ہستی اور قرآن مجید کی سچائی پر گواہی دے سکیں۔ اور حضور صلعم کے افاضۂ روحانی کے

جاری رہنے پر گواہی دے سکیں۔ نورانی ہستیوں کے بغیر یہ سب سچائیاں محض ایک مفروضہ بن کر رہ جائیں گی اور ان میں لوگوں کے اعتقادات و اعمال پر اثر انداز ہونے کی قوت جاتی رہے گی۔ اس کے سوا تمام دیگر مذاہب کی بالکل یہی حالت ہوتی صرف اسلام ہے جو اب تک زندہ روحانی تجربات و مشاہدات کی روایت کا زرخیز منبع ہے!

انسانی شعور کی تین منازل

اسلام نہ تو کوئی قیاسی فلسفہ ہے اور نہ ہی بلا دلیل اعتقادوں کا دین ہے بلکہ یہ ایک تجرباتی سائنس ہے جس کی اپنی جاذبیت ہے۔ آئیے اب ہم اس سائنس کے ڈھانچہ کو یہاں مختصراً پرکھیں:-

انسانی شعور کو تین درجوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ہر درجہ ارتقا کی سیڑھی پر اونچا لے جاتا ہے اور تین درجے یہ ہیں:-

نفس امارہ :- یا بے قابو حیوانی نفس

نفس لوامہ :- یا خیر و شر کی کشمکش میں مبتلا نفس

نفس مطمئنۃ :- یا پر سکون باخدا نفس

پہلا درجہ امارہ ہے جس میں انسان خالصتاً حیوانی محرکات کی وجہ سے بے چین ہوتا ہے اور پابندیوں سے لاپرواہی دکھاتا ہے اور ضمیر کی آواز سے بے بہرہ ہوتا ہے۔ اس میں ایک باقاعدہ منظم مذہبی تربیت کے ذریعہ، جس میں اوامر و نواہی بنیادی کردار ادا کرتے ہیں، حسن اخلاق اور ناپسندیدہ اخلاق کی تمیز پیدا کرنے کی صلاحیت پیدا کی جاتی ہے۔ وہ ہر لغزش اور غلطی کے بعد توبہ کرتا ہے اس کے بعد "لوامہ" کا درجہ آتا ہے۔ اس حالت میں انسان میں اخلاقی شعور کی ابتدا ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ حیوانی انا کا مکمل خاتمہ ہو جاتا ہے اور یہیں سے مطمئنۃ کا درجہ شروع ہو جاتا ہے۔ اب جبکہ سفلی اور علوی نفس کے درمیان کشمکش اختتام پذیر ہو چکی ہوتی ہے۔ سالک ایک کامل امن و سلامتی کی حالت میں داخل ہو جاتا ہے اور کامل پاکیزگی، نیکی اور معرفت حاصل کر لیتا ہے!

صوفیا کے مشاہدات کا بیان

روحانی ترقی کے تیسرے درجہ یعنی مطمئنۃ کی دہلیز سے جو روحانی ترقی کا سفر شروع ہوتا ہے اور جو مشاہدات صوفی کو حاصل ہوتے ہیں اسے بیان کرنے کے لئے صوفیا نے تین اصطلاحات وضع کی ہیں:-

فنا :- یعنی نفس حیوانی پر مکمل کنٹرول۔ اس حالت میں نفسانی خواہشات اور اس کے محرکات انسان کو کسی طرح بھی پریشان نہیں کر سکتے۔ اس میں صرف ایک ہی آرزو رہ جاتی ہے۔ وہ ہر دم اپنے وجود کو نہایت عجز اور انکساری کی حالت میں خدا کے سپرد کر دیتا ہے۔

بقا :- یعنی نفس کا ایک نئی زندگی پا کر معرفت اور ادراک کی نئی منزل کو پا لینا۔ مگر اس درجہ میں روحانی احیا ہوتا ہے نہ کہ نفسانی۔ اس حالت میں جو بھی نفسانی تحریکیں و ترغیبات وجود میں آتی ہیں وہ نفسانی جوشوں کے باعث نہیں ہوتیں جن کی وجہ سے انسان حقوق العباد کو روندتا اور معاشرہ میں فساد پیدا کرتا ہے! بلکہ یہ خدا کی مکمل اطاعت کے تحت روحانی شعور سے پیدا ہوتی ہیں اور ایسے اعمال کو جنم دیتی ہے جو بنی نوع انسان اور کائنات کے لئے سود مند ہوتے ہیں۔

لقا :- اس حالت میں انسان کی روحانی معرفت اتنی اعلیٰ درجہ کی ہو جاتی ہے کہ ایمان و خلوص اور عبادات کا اجر اب صرف ایک ایمانی مفروضہ کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ یقین اور مشاہدہ بن جاتا ہے گویا ایمان کا اجر اسے ابھی مل گیا ہے اور خدا میں اس کا ایمان اس درجہ کا ہو جاتا ہے گویا کہ وہ خدا کو دیکھ رہا ہے اور ایسا انسان مستقبل سے متعلق ہر خوف اور حال و ماضی کے تمام غموں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں انسان ہر ہچکچاہٹ، مبہم نظریات، شک اور وساوس سے آزاد ہو جاتا ہے اور اس حالت میں سالک خدا تعالیٰ کی صفات سے اسی طرح رنگین ہو جاتا ہے جیسا کہ لوہا جو اگر آگ میں کافی دیر رکھا

جاتے آگ کا رنگ اختیار کر لیتا ہے اور روحانی وجد کے خاص موقعوں پر ایسے انسان کے جذبات خدائی طاقتوں سے حصہ پا لیتے ہیں حتی کہ اس کی رضا اور خوشی خدا کی رضا اور خوشنودی بن جاتی ہے اور اس کا غضب خدا کے غضب و لعنت کو لے آتا ہے اور اس کی توجہ کے نتیجہ میں ایسے واقعات جو بظاہر قانون قدرت کے خلاف معلوم ہوتے ہیں وجود میں آ جاتے ہیں۔ خدا سے طاقت پا کر اسے ایک تخلیقی طاقت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ واقعات کو تخلیق کر سکتا ہے اور تاریخ کا رخ موڑ سکتا ہے!

یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ فنا کے درجہ میں داخل ہونے کے بعد جو کہ قرآنی اصطلاح میں "استقامت" کہلاتا ہے، باقی ماندہ درجے یعنی بقا اور لقا خود بخود حاصل ہو جاتے ہیں۔ وجہ یہ کہ جب انسان مخلوق، خواہشات اور نفسانی ارادوں سے مکمل طور پر منقطع ہو جاتا ہے تو وہ خود بخود "بقا" کے درجہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ جب تک انسان نفس کو کچلنے اور خدا کے آگے کامل تسلیم میں ثابت قدم نہیں ہو جاتا اور یہ ثابت قدمی بلا ارادہ عادت ثانیہ نہ بن جائے، اسے بقا کی حالت حاصل نہیں ہوتی! بقا کی حالت تقاضا کرتی ہے کہ تمام عبادات اور تسلیم بر خدا انسان کی عادت بن جائیں اور کسی کوشش و تکلف کی ضرورت نہ رہے۔ جب یہ حالت حاصل ہو جاتی ہے تو انسان محسوس کرنے لگتا ہے کہ جو کچھ بھی اس کا ہے وہ اس کا نہیں بلکہ دراصل خدا کا ہے اور جبکہ دوسرے لوگ اپنی نفسانی خواہشات کے پورا ہونے سے مسرت محسوس کرتے ہیں یہ انسان خدا کی پرستش اور اس کے ذکر سے لذت حاصل کرتا ہے۔

پس جبکہ سالک اس بقا کی حالت میں راسخ ہو جاتا ہے اور یہ حالت اس کے وجود کا ریشہ اور تار و پود بن جاتی ہے تو آسمان سے ایک روشنی اترتی معلوم ہوتی ہے اور بے یقینی کی دھند اس کے دل سے تمام تر اٹھ جاتی ہے اور اس کی جگہ ایک شیریں محبت کا جذبہ لے لیتا ہے۔ ایسا جذبہ جو اس نے پہلے نہیں محسوس کیا ہوتا بالکل اسی طرح جیسا کہ ایک عاشق اپنے محبوب سے لمبی جدائی کے بعد وصل پر محسوس کرتا ہے!

اور اس کے ساتھ ہی گاہے بگاہے مخاطبہ مکالمہ الٰہیہ کا پر مسرت چھینٹا پڑتا رہتا ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ اس کے ساتھ آسمانی خوشیوں اور ٹھنڈک کے جھونکے ہوتے ہیں! اس حالت میں سالک اپنی ہر چیز حتی کہ جان اور عزت بھی خدا کی خاطر قربان کرنے میں خوشی محسوس کرتا ہے۔ اس کا دل خدائی نور سے اس طرح پر ہو جاتا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آفتاب نصف النہار کی شعاعوں کو محسوس کر رہا ہے اور گویا کہ خدا اپنے تمام جلال کے ساتھ اس کے دل پر اتر آیا ہے۔ یہ اس لقا کے درجہ کی نشانیاں ہیں!

یہ بھی یاد رہے کہ جبکہ فنا کا درجہ انسانی مساعی سے حاصل ہوتا ہے، باقی دونوں یعنی بقا اور لقا خدا کے فضل اور رحمت سے بطور انعام عطا ہوتے ہیں۔ سالک کی روحانی مساعی اسے صرف فنا کے درجہ تک لے جاتی ہے۔ اس کے بعد خدا کا فضل اس کا ہاتھ تھام لیتا ہے اور اسے بلندیوں کی طرف لے جاتا ہے۔ اس لئے سفر کی صعوبتیں صرف فنا کے درجہ تک ہی محسوس ہوتی ہیں!

اسلام میں اولیاء کے درجات

یہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اولیاء کے درجات کے بارہ میں کچھ اور اصطلاحات اور ان کے مترادف صوفیا کی اصطلاحات بیان کر دی جائیں۔ صوفیا کے نزدیک دنیا میں ہر وقت اولیاء کی ایک درجہ وار اور ترتیب وار تعداد ہوتی ہے اور جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کو اپنی رحیمیت دکھاتا ہے۔ حضور صلعم کی عدم موجودگی میں یہ لوگ خدا کی طرف سے زمین پر خدا کے نائب ہوتے ہیں۔ ان کے تین درجات ہوتے ہیں:-

ابدال، غوث اور قطب!

"ابدال" سے مراد یہ ہے کہ جب ان میں سے کوئی ولی فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فوراً اس کا بدل مقرر کر دیتا ہے۔ یہ ایسے

راستباز لوگ ہیں جن سے زمین کبھی خالی نہیں ہوتی (ایں درباد صحاح، محکم، قاموس)

مگر زیادہ معتبر رائے یہ ہے کہ ان کو یہ نام ان کی مسلسل بدلتی ہوئی روحانی حالت کی وجہ سے دیا گیا ہے۔ یہ ہر وقت حالت تغیر میں ہوتے ہیں جو انہیں ایک حالت میں نہیں رہنے دیتا۔ چونکہ وہ ابھی خدا شناسی کے سفر میں ہوتے ہیں اس لئے کسی درمیانی جگہ میں انہیں ٹھہرنے نہیں دیا جاتا!

جہاں تک ان کی اصل تعداد اور محل وقوع کا تعلق ہے اس کے متعلق مختلف آراء ہیں۔ حضور صلعم کے روحانی وارثین میں ان کا درجہ سب سے کمتر معلوم ہوتا ہے۔

بہترین ماہرین کی رائے کے مطابق کسی ایک پشت کے اولیاء کی درجہ بندی غوث اور قطب میں کی گئی ہے اور یہ کرامات دکھانے اور تقدیس کے جوہر سے مالا مال ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص غوث یا قطب ہو تو اس کو صرف اس کا ایجنٹ یعنی "بدل" ہی شناخت کر سکتا ہے تاوقتیکہ وہ خود کسی شخص پر اپنا مقام ہویدا نہ کر دے۔ قطب کے لفظی معنی "محور" کے ہیں یعنی وہ نقطہ جس کے گرد کوئی چیز گھومتی ہے یا وہ سردار جس کے گرد حالات گھومتے ہیں۔ سو قطب وہ ہوتا ہے جس کی توجہ اور دعاؤں سے کسی سوسائٹی یا قوم کے حالات کا رخ متعین ہوتا ہے۔ گویا اسے ایک سوسائٹی میں ایک قسم کا "روحانی ایجنٹ" سمجھا جا سکتا ہے۔ "غوث" کے لفظی معنی "مدد" کے ہیں گویا مشکل میں مددگار۔ سو "غوث" ایک قسم کا شفیع ہوتا ہے جو کہ اس وقت جب کہ کسی قوم یا بنی نوع انسان کے گناہ کی پکڑ ہونے والی ہو شفاعت کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ خصوصاً نرم دل ہوتے ہیں۔ ہمارے نبی کریم صلعم کی طرح! بنی نوع انسان کی تکالیف اور غموں کو دیکھ کر ان کے دل پگھل جاتے ہیں اس لئے یہ عذاب الٰہی کا رخ موڑ دینے کا ایک ذریعہ ہوتے ہیں! چونکہ ان کی دعائے مستجاب کو قبولیت حاصل ہوتی ہے اس لئے ان کی دعائیں عفو اور رحمت کی وجہ بن جاتی ہیں۔

پس "بدل" اور "ابدال" کو "روحانی مجسٹریٹ" سمجھا جا سکتا ہے۔ ان کے اوپر قطب اور بلند ترین درجہ پر "غوث" ہوتے ہیں! کسی ایک وقت میں یہ سب مل کر "روحانی نفری" بنتے ہیں اور یہ حضور صلعم کی جگہ اور ان کی مہر کے زیر اثر کام کرتے ہیں۔ مگر مجددین کے برعکس، جنہیں نہ صرف اپنی روحانی پوزیشن بتانے کی اجازت ہوتی ہے بلکہ حکم ہوتا ہے کہ وہ اپنے عہدہ کا اعلان کریں۔ نہ ہی قطب اور نہ ہی غوث (ابدال کا تو ذکر ہی کیا!) کو اپنے وجود اور عہدہ کا اظہار کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ یہ خاموشی سے عمل پذیر ہوتے ہیں اور اپنے خیالات اور نمونہ سے انسانیت کی خدمت کرتے ہیں اور انسانی گناہوں کی معافی کے لئے مسلسل دعائیں کرتے ہیں!

کچھ لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ یہ خیال کہ ایسے لوگ وجود رکھتے ہیں اور گویا یہ بنی نوع انسان کے لئے ایک طرح کے شفیع نہیں غیر اسلامی ہے۔ یہ نظریہ غلط ہے! اگر سورہ یاسین کی آیات ۲۰ تا ۲۷ کو پڑھا جائے تو معلوم ہو گا کہ ایسی قوموں میں بھی جو اپنے ظلموں کی وجہ سے تباہی کے حقدار ہو چکی ہوں کچھ ایسے لوگ موجود ہوتے ہیں جو کسی نبی یا خدا انسان کی سچائی کی گواہی دے سکتے ہیں کیونکہ ان میں خدا کی مرضی اور ارادہ کو پہچاننے کی قوت ہوتی ہے۔ اس واقعہ کو ان الفاظ سے شروع کیا گیا ہے۔

"اور شہر کے ورلے حصہ سے ایک شخص بھاگتا ہوا آیا اور بولا اے میری قوم! رسولوں کا اتباع کرو!" (۳۶ : ۲۱)۔

اب بھلا یہ کون ہو سکتا ہے؟ میری رائے میں یہ شخص ضرور کوئی غوث یا قطب ہو گا!

اور یہ نظریہ کہ کسی قوم کے گناہوں کا عذاب کسی ممتاز روحانی انسان کی موجودگی کی وجہ سے ٹل جاتا ہے، یہ سورہ ہود میں حضرت لوطؑ کی بیان کردہ کہانی سے استنباط کیا جا سکتا ہے۔ یہ بیان ظاہر کرتا ہے کہ کسی مجرم قوم کی سزا بھی کسی روحانی شخصیت جو کہ قوم میں موجود

ہو، اس کی خاطر ٹالی جا سکتی ہے۔ حتیٰ کہ قریش کی سزا بھی حضور صلعم کی مکہ سے ہجرت کے بعد تک التوا میں ڈالی گئی۔ قرآن کریم اس اصول کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:-

"خدا انہیں عذاب نہ دے گا جب کہ تو ان کے درمیان موجود ہے۔" (۳۳ : ۸)۔

پس صوفیا کا یہ خیال قرآن کریم کے بیان کردہ اصولوں سے اخذ کیا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ اصول تاریخ اسلام کے تمام اولیاء کے تجربہ کی بناء پر بھی تصدیق شدہ ہے۔

تصوف ایک مستعار طرہ نہیں

کئی غیر مسلم اہل قلم کی جانب سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ تصوف ایک مستعار طرہ امتیاز ہے اور اسلامی روح سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ خیال جہالت پر مبنی ہے۔ تمام معاملات جن کی بنا پر اسلامی سوسائٹی اور تہذیب کی تشکیل ہوئی ان کی بنیاد وہ لفظی الہامات تھے جو کہ حضور صلعم پر عالم وجد میں نازل ہوتے۔۔۔ اور صحابہ کا وقتاً فوقتاً کم درجہ کی وحی پانا بھی تاریخ سے ثابت ہے۔ اور ایک گروہ یعنی اصحاب صفّہ کی مخصوص عبادات بھی حضور صلعم کے زمانہ کی ممتاز حقیقت ہے۔ سو ان تمام حقائق کے باوجود یہ کہنا کہ اسلام شروع میں صرف ایک کٹر اور رسوماتی دین تھا اور تصوف بعد میں وجود میں آیا ایک اظہر من الشمس حقیقت کو جھٹلانا ہے!

امر واقعہ یہ ہے کہ تصوف اسلام کی روح ہے اور اسلام کا سیاسی پہلو صرف اس کا دنیاوی مظاہرہ ہے۔ بے شک بہت کچھ جو کہ صوفی ازم کے نام پر کیا جاتا ہے وہ "تصوف" نہیں۔ اور بہت سے خارج از اسلام بلکہ بضد اسلام خیالات اور رواج یقیناً گزشتہ چند صدیوں کے دوران اس زندہ دین میں بھی داخل ہو گئے ہیں۔ کیونکہ اس اثناء میں اسلام کے سماجی اور عقلی نظام میں ایک عمومی انحطاط اور فرسودگی آ چکی تھی۔ مگر مرض کی موجودگی صحت کی عدم وجود کو ثابت نہیں کرتی اور نہ ہی فرسودگی جسم کے عدم وجود کی دلیل ہے۔

ان تمام خارجی تخریبی اثرات کے باوجود جو کہ ہمارے روحانی نظام میں نفوذ کر گئے تھے تصوف اپنی اصلی اور مصفی حالت میں اسلامی تاریخ کے ہر دور میں موجود رہا۔ بہر حال اس کی شناخت کرنے کے لئے بصیرت چاہئے۔ ایسی آنکھیں جو صرف نعرہ زن اور ناچتے درویشوں ہی کو اسلامی تصوف کے نمونہ کے طور پر دیکھ سکتی ہیں انہیں ایک بڑے روحانی آپریشن کی ضرورت ہے تاکہ وہ اصلی اسلامی تصوف کو دریافت کر سکیں"۔

(۲۔ "صوفی ازم ان اسلام" مولانا آفتاب الدین احمد۔ ماہنامہ لائٹ" لاہور ستمبر ۱۹۸۹)

تاریخ کا ایک سنہری ورق

حضرت مولانا محمد علیؒ کے انگریزی ترجمۃ القرآن کے بارے میں

مولانا محمد علی جوہر کا تعریفی خط

چندواڑہ۔ سی پی، انڈیا

۲۴ فروری ۱۹۱۸ء

میرے پیارے مرزا یعقوب بیگ۔

السلام علیکم

اس خط کو دلی معذرت کے ساتھ شروع کرتا ہوں کہ میرے اور شوکت دونوں کے لیے آپ کے مرسلہ گراں بہا تحائف کی وصولی کی اطلاع دینے میں خاصی تاخیر ہوتی ہے! میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں ہمارے لئے اس بیش بہا انگریزی ترجمۃ القرآن سے بڑھ کر کوئی اور تحفہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ مترجم اور مفسر میرے نہایت ہی لائق احترام (میرے ہم نام) مولانا محمد علی صاحب ہیں۔ "اسلامک ریویو" جس سے ہمارے خواجہ کمال الدین کے یورپ میں تبلیغ اسلام کی حسین یادیں وابستہ ہیں، میں میں نے اس انگریزی ترجمے کے نمونے کے صفحات دیکھے تو جی بے اختیار چاہا کہ یہ اعلان بھی نظر پڑے کہ یہ گہرہائے تابدار ہندوستان بلکہ انگلستان میں بھی دستیاب ہیں۔

چنانچہ جونہی ملکی اخباروں میں وہ اعلان ہوا جس کی مجھے بیتابی سے انتظار چلی آ رہی تھی میں نے شوکت کو تاکیداً کہا کہ آپ کو فوراً خط بھیجے کہ ہمارے لئے دو جلدیں بذریعہ وی پی پی بھجوا دیں۔ وہ خط لکھنے ہی کو تھا کہ جمعہ کے دن دیدہ زیب طبع اور مجلد سے مزین دو نسخہ وفا ہمیں مل گئے۔ شوکت تھوڑی ہی دیر پہلے مسجد جا چکا تھا۔ اس لئے اسے اور دیگر مسلمانوں کو دکھلانے کے لئے اپنے ساتھ مسجد لے گیا۔ یقین جانئے کہ جو مسرت اور راحت آپ کے مرسلہ تحفہ سے ہوتی وہ اور کسی طرح ممکن نہ تھی۔ شکرگزاری کا خط تو میں اسی دن لکھ دیتا مگر چونکہ آپ ہی کا اصرار ہے کہ آپ کو اپنا تبصرہ بھی بھجوائیں اس لئے میں نے رسیدگی کی اطلاع کسی اور دن پر اٹھا رکھا۔

بد قسمتی سے میں ایک بار پھر تپ میں مبتلا ہوں۔ اگر میں صحت یابی کا انتظار کرتا ہوں کہ آپ کی فرمائش پوری کروں تو آپ کو ایک لمبی مدت انتظار کرنا پڑے گا کیونکہ مجھے ترجمہ اور حواشی کو پڑھنا ہو گا

مگر چونکہ میں اس وقت پھر ایک دفعہ بخار کی وجہ سے بستر پر ہوں اور اب اگر میں اس انتظار میں رہوں کہ سارا ترجمہ اور حواشی پڑھ لوں تو شاید آپ کو بہت لمبا انتظار کرنا پڑے! سو اس خط کو ان کتابوں کی وصول یابی کی اطلاع میں تاخیر کا معذرت نامہ سمجھ لیں اور کچھ ہمارے دلی جذبات تشکر کے اظہار کا ذریعہ بھی!

بایں ہمہ میں محسوس کرتا ہوں کہ میں اس حقیقت کا اظہار کر دوں جو میں نے اس کتاب کی ظاہری شکل، خوبصورت چھپائی، نہایت عمدہ انڈیا پیپر، سبز دبیز مراکو بائنڈنگ اور متعدد خوبصورت طغروں کو دیکھ کر قائم کی ہے اور یہ سب کچھ ان لوگوں کی محبت اور عقیدت کا مظہر ہیں جنہوں نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور جو احترام ہر زمانے اور ہر ملک میں اس عظیم ترین کتاب کے لیئے وہ محسوس کرتے ہیں!

ان معاملات میں کسی حد تک میں ایک مبصر اور نقاد کا درجہ

رکھنے پر فخر محسوس کرتا ہوں (جیسا کہ شاید آپ جانتے ہوں!) اور ساتھ ہی بلاشبہ مجھے اس عظیم کتاب سے بے پناہ محبت اور عقیدت بھی ہے اس لئے میں نے اس ایڈیشن کو گہری تنقیدی بلکہ حاسدانہ نظر سے پرکھا ہے۔ آپ کو یہ معلوم کر کے خوشی ہو گی کہ مجھے اس سے تسلی ہوتی ہے! یہ ایک خالی خولی تعریف نہیں بلکہ یہ ایک بہت ہی ناقد شخص کا کسی کی محبت اور چاہت کا کھلے دل سے اعتراف ہے جس کے متعلق خود اس کے دل میں بے پناہ محبت اور عقیدت ہے ترجمہ زیادہ موٹے کاغذ اور زیادہ سخت گتے اور چمڑہ سے مجلد ہے اور وہ بھی بہت ہی اچھا ہے۔ دونوں کی ضرورت تھی!

جہاں تک مندرجات کا تعلق ہے تو میں نے دیباچہ کو اور کہیں کہیں سے متعدد سورتوں کے شروع کے تعارفی حواشی کو پڑھا ہے اور مختلف رکوعوں کے عنوانوں پر اور انڈکس پر بھی طائرانہ نظر ڈالی ہے۔ میں نے کتاب کے مندرجات کی ترتیب کو بے حد قابل تعریف پایا ہے۔ جہاں تک انگریزی ترجمہ کا تعلق ہے اور جہاں تک میں نے پڑھا مجھے اس کے دل نشین اسلوب، صحت، اور عربی عبارت سے مطابقت نے بہت متاثر کیا ہے اور یہ ایک سچے مومن کے دل میں خدا کے کلام کی تعظیم کی علامت ہے! میں ایسی عظیم المرتبت کتابوں کو آرام آرام سے پڑھنے کا عادی ہوں اور مجھے مکمل طور پر اس کتاب کو پڑھنے میں ابھی کچھ وقت لگے گا۔ مگر میں عربی کے عالم یا ماہر دینیات کا دعوے دار نہیں ہوں اور میں جس رائے کا بھی اظہار کروں گا یہ ایک عام آدمی کی رائے ہو گی۔ چاہے جو بھی اس کی وقعت و قیمت ہو! مگر اہم بات یہ ہے کہ یہ عظیم کارنامہ انجام پا چکا ہے اور اب کم از کم ایک یورپین زبان میں ایک سچے مومن کا کیا ہوا ترجمہ وجود میں آ گیا ہے نہ کہ کسی تمسخر و استہزا کرنے والے کا۔ ایسا مومن جو کہ اس کتاب کے ہر لفظ کو خدا کے منہ سے نکلا ہوا کلام سمجھتا ہے۔ ہر لفظ کو حق اور نور سے بھرا ہوا، ہر لفظ کو گذشتہ اور بعد میں آنے والے واقعات کا مصدق، ہر لفظ کو آسانی سے دل میں اترنے والا سمجھتا ہے اور یہ ان لوگوں کی طرح کا ترجمہ نہیں جن کا واحد مقصد یورپ کے سامنے اس مقدس کتاب کو ایک جھوٹے نبی کے کلام کا لبادہ اوڑھے ایک جاہل رجز خواں کے افترا کے طور پر پیش کرنا ہوتا ہے! اور جو کوشش کرتے ہیں کہ ایسے نبی کو ایک عیاش، ترغیبات کا دلدادہ، مہم جو، طالع آزما ثابت کریں! دونوں میں فرق ہر صفحہ پر ظاہر ہے اور مجھے امید ہے کہ یورپ اس بات کا نوٹس لینے میں دیر نہیں کرے گا! یقین جانیئے کہ اس جنگ کے بعد یورپ ایک بدلا ہوا یورپ ہو گا۔ اور ان لوگوں کو جو اس کے طور طریقوں، رجحانات اور سوچ کے انداز کو سمجھتے ہیں، اس بات کی علامتیں اب ظاہر ہو رہی ہیں کہ ایک بہت بڑے پیمانے پر اس کے ماضی کے مذہبی خیالات اور تصورات کے بارے میں بیزاری منصہ شہود پر آئے گی۔ عیسائیت یا اس کی وہ تعبیر جو کہ مختلف نام نہاد قومی چرچ کرتے ہیں اس قیامت خیز جنگ کو نہیں روک سکی اور نہ ہی مسیحؑ کا "پہاڑی وعظ" ان سختیوں اور تلخیوں کو کم کر سکا جو کہ عام طور پر جنگ سے جدا نہیں کی جا سکتیں! اور زیادہ معنی خیز بات یہ ہے کہ جنگ میں شریک عیسائی ملک کے چرچ نے اپنے اپنے قومی جھنڈے کو دعا کے ذریعہ برکت دی اور یسوع مسیحؑ سے درخواست کی کہ وہ ملک کو "اس نیک مقصد" کی خاطر لڑی جانے والی جنگ میں کامیابی حاصل کرنے میں مدد فرماویں!

یہ باتیں انسان کے دل کو ہلا دیتی ہیں اور یہ سوچنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ کیا یہ سب کچھ عیسائیت کا حصہ ہے! کیا یہ سب حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم ہے؟ کیا کروڑوں تعلیم یافتہ یورپین ایک ایسے مذہب سے جس کی اتنی مختلف اور بظاہر مبہم تعبیریں رہیں ہیں مطمئن رہ سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں مجھے ایسی ہزاروں علامتیں نظر آ رہی ہیں کہ عیسائی یورپ جنگ کے معاً بعد دوبارہ اپنے چرچوں، ان کے مسالک اور سوچ پر نظر ثانی کرے گا اور اس کے نتیجہ میں ایسی زبردست روحانی تبدیلی آئے گی جس کے نتیجہ

میں ایسی گھمبیر سیاسی تغیرات ہوں گے جو اس کے مقابلہ میں غیر اہم نظر آئیں گے! "کامریڈ" کی ایک اصطلاح کو استعمال کرتے ہوتے میں کہوں گا کہ یورپ کی روحانی سوچ پہلے ہی "بندر گاہ کی طرف بہتی بہتی" آ رہی ہے۔ اگر ہم مسلمانوں کو ایک خاص مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے (جیسا کہ قرآن میں متعدد بار ہمیں بتایا گیا ہے!) تو ہمیں یورپ کی اس کشتی کی رہنمائی کر کے اسلام کی محفوظ گودی میں پہنچانا ہو گا جہاں مختلف قوموں کے اپنے اپنے کلیساؤں کا وجود اسی طرح صفحہ ہستی سے مٹ جائے گا جیسا کہ پرانے زمانے کے غیر متمدن قبیلوں کے جداگانہ خداؤں کا اور جہاں پر کالے گورے اور زرد رنگ کی کوئی تفریق نہ ہو گی --- بلکہ ایک ہی ملت ہو گی جو کہ خدائے واحد ویگانہ کی عبادت کرے گی! جہاں نہ نواب ہوں گے نہ اشراف نہ سرمایہ دار نہ مزدور بلکہ ہر کوئی ایک خدا کا خادم ہو گا! جہاں نہ بادشاہت ہو گی نہ اشرافیت حتاکہ جمہوریت بھی نہیں ہو گی۔ بلکہ ایک ہمہ جہت "تھیوکریسی" (مذہبی حکومت) جہاں نہ تو محصولات کے تعین پر لڑائیاں ہوں گی نہ ہی سیاسی حلقہ ہائے اثر و مفادات ہوں گے اور نہ ہی لیگ آف نیشنز کے زیر انتظام علاقے --- بلکہ خدا تعالیٰ کی عالمگیر بادشاہی ہو گی --- ایک عالمگیر سلطنت جہاں پر وہی شہنشاہ اور پوپ اور پارلیمینٹ اور سب کچھ ہو گا! جہاں اسلام کا سرمدی امن ہو گا یعنی آزاد روحوں کے ایک مقدس مقصد کے آگے سرنگوں ہو جانا اور جاگتے، سوتے، بیٹھے، کھڑے، لیٹے، صرف خدا کی ابدی و رضا کارانہ خدمت!

یقین جانیئے کہ یہ کسی ایسے شخص کا ہذیانی اظہار نہیں ہے جس کا ذہن مسلسل تین سال ایک ویرانے میں قید کی وجہ سے توازن کھو بیٹھا ہو۔ اس کے نتیجے میں میرا ذہن رغبت اور نفرت سے آزاد ہو چکا ہے اس لئے میرا ذہن اس وقت اس تنہائی میں خود اپنے وسائل پر انحصار کرنے پر مجبور ہے۔ مسلسل غور و خوض کی اپنی جولانیاں ہوتی ہیں --- ایک تماشائی کی طرح --- جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ وہ کھیل کا بیشتر نظارہ کر سکتا ہے --- میں نے یورپ اور ایشیاء کا تماشا غیر جانبدار ہو کر دیکھا ہے جو صحیح رائے قائم کرنے کے لئے ایسا ہونا ضروری ہے۔ بغیر کسی رجائی تعصب کے میں صاف صاف دیکھتا ہوں کہ دنیا کے مستقبل کے بچے "اس ل ام" ہونگے۔ اقبال نے دس سال پہلے غالباً یہ نظارہ دیکھ لیا تھا ابھی پانچ سال بھی نہیں ہوتے کہ اس کے آثار نظر آنے شروع ہو گئے ہیں۔ انہوں نے اپنے منفرد انداز میں اس کو یوں بیان کیا تھا:-

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

خوب! یہ انگریزی ترجمۃ القرآن جو کائنات کے واحد ویگانہ خالق کی خدمت بجا لانے کا ہدایت نامہ ہے، یہ تیاری ہے اس زبردست انقلاب کے لئے جو مابعد جنگ دنیا میں آنے والا ہے ---۔ اگر میں موجودہ حالت سے زندہ بچ نکلا تو میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے بطور ایک حقیر خادم کے طور پر قبول فرمائے اور میں دنیا میں گھوم پھر کر اسلام کے قیمتی اثاثے کو اپنے بھائی بندوں کے ساتھ مل کر بانٹوں اور دنیا میں پکاروں کہ اگر ہم اپنے تن من دھن الغرض جو کچھ بھی ہمارا ہے خدا کی خدمت کے لئے وقف کر دیں! پیارے خواجہ صاحب تو پہلے ہی سابقون الاولون میں شامل ہو چکے ہیں۔ اب میرے لئے یہ شرف کا مقام ہے کہ میں ان کے نقش قدم پر چل سکوں۔ اس عظیم امنگ نے دوسری چھوٹی موٹی امنگوں اور تمناؤں کو نگل لیا ہے ---۔ اب تو مجھے صرف موقع کا انتظار ہے! اب بھی میں یہاں اپنی محدود طریق پر اپنا واضح فرض ادا کرنے سے پہلو تہی نہیں کرتا اور گزشتہ دو سال سے ربیع الاول کے مقدس ماہ میں حضور صلعم کی زندگی اور تعلیمات پر مقامی مجلسوں میں لیکچر دیتا چلا آ رہا ہوں۔ مگر ایک "پا بر کاب واعظ" کا "والہانہ جوش" (ایک ایسی اصطلاح جو کہ شاعر سے زیادہ سچے واعظ پر صادق آتی ہے!) کو ایک وسیع تر میدان کی ضرورت ہوتی ہے! اگرچہ مجھے صرف مہذب

حاضرین ہی نہیں چاہیئں۔۔۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ مجھے ایک "مشنری تنظیم" کے رکھ رکھاؤ کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی۔

اسلام انہی لوگوں کے ذریعہ پھیلا تھا جن میں "باطنی جذبہ" انگڑائیاں لیتا تھا نہ کہ کسی باقاعدہ تنظیم کے سہارے! میں نہیں جانتا کہ میں حیات و ممات کی جنگ سے بچ نکلوں گا۔ کیونکہ میری بیماری نے میری قوت کو نہایت کمزوری کی حالت تک پہنچا دیا ہے چنانچہ اب بیماری بار بار لوٹ کر حملہ آور ہو رہی ہے اور یہ سب انجام کو قریب لانے کے آثار ہیں! مگر خواہ میں بچ نکلوں یا نہ، خدا جو ہمیں ہماری نیتوں سے پرکھتا ہے۔ نیتیں جو ہم اپنے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں باندھتے ہیں اور ان اعمال سے بھی پرکھتا ہے جو لوگوں کی نظروں کے سامنے کرتے ہیں، مجھے یقین ہے کہ وہ میرے اس محکم اور پر خلوص ارادے کی صحیح قدر و منزلت کرے گا۔

میری دعا ہے کہ اس کا اجر کم از کم ایک دن کے گناہوں کی تلافی کر سکے گی۔ ویسے تو میری زندگی کے روز و شب زیادہ ہی گناہوں اور اسراف میں ضائع ہوتے! اب میں آپ سے اجازت چاہوں گا! اگر آپ مولوی محمد علی سے ملیں تو میرا شکریہ ادا کر دیں، ایک ایسے مسلمان کا شکریہ جو ان کی مخلص اور بار آور کاوشوں کو فخریہ نظر سے دیکھتا ہے اور جسے یہ عزت و شرف بھی حاصل ہے کہ وہ ایک ایسے مشترکہ نام (محمد علی) کا حامل ہے جو کہ تمام دنیا کے سب سے محبوب ناموں میں سے ہے۔

بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است!

اگر ہمارے مجاہد بھائی خواجہ کو خط لکھیں تو میری طرف سے ان کی الجھی ہوئی داڑھی پر بوسے برسائیں۔ میری اور شوکت کی طرف سے آپ کو بہت بہت سلام!

آپ کا مخلص اور مشکور

محمد علی

نوٹ:-

ضمناً مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے کو میری طرف سے ایک تجویز پیش کریں کہ اگلے ایڈیشن میں انہیں چاہیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے ابتدائی دور کی جامع لیکن مختصر تاریخ جو خالصتاً قرآن کریم کی آیات سے اخذ کی گئی ہو شامل کریں۔ اس کے علاوہ قرآن میں بیان کردہ قصوں کا خلاصہ اور ان سے متعلق جغرافیائی پس منظر پر حواشی بھی شامل کریں۔

___ (انگریزی سے ترجمہ، کیپٹن عبدالسلام خان)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ
حضرت سیدہ آمنہ

(۳)

"ابوا" کی تاریخی حیثیت

کیا یہ ایک تاریخی حقیقت نہیں کہ جس مقام کو حضورؐ اقدس کی والدہ ماجدہ کے مدفن بننے کا اعزاز حاصل ہوا وہی مقام تاریخ میں اس اعتبار سے بھی امر ہو گیا کہ حضورؐ کے غزوات کا آغاز اسی مقام سے ہوا۔ چنانچہ ہجرت کے بعد آپؐ کو مدینہ میں قیام کئے ہوتے گیارہ ماہ ہوتے تھے کہ حضورؐ کو اطلاع دی گئی کہ قریش کا ایک قافلہ ادھر سے گذرنے والا ہے۔ اس اطلاع پر آپؐ نے ایک لشکر منظم کیا جس میں صرف مہاجرین شریک تھے۔ لشکر کا علم آپؐ نے حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کو عطا فرمایا اور حضرت سعدؓ بن عبادہ انصاری کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرما کر حضورؐ "ابوا" کی طرف روانہ ہو گئے۔ ابوا پہنچ کر آپؐ نے یہاں چند روز قیام فرمایا مگر جنگ کی نوبت نہ آئی۔ مورخ ابن سعد نے لکھا ہے کہ تاریخ اسلام میں یہ پہلا غزوہ ہے جس کی قیادت خود حضورؐ نے فرمائی یعنی غزوہ ابوا۔

قبر آمنہ کی برکت

جس طرح حضورؐ نے مدینہ تشریف لا کر اہل مدینہ سے ایک معاہدہ کیا تھا جسے "میثاق مدینہ" کہتے ہیں اسی طرح "غزوہ ابوا" کے موقع پر حضورؐ نے "ابوا" اور اس کے مضافات مثلاً "ودان" وغیرہ میں آباد قبائل کے سرداروں سے ایک معاہدہ کیا۔ ان میں "بنو ضمرہ" خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ان کا سردار مخشی بن عمرو الضمری تھا، اس نے اپنے قبیلے کی طرف سے حضورؐ کے ساتھ ہونے والے معاہدے پر دستخط کئے تھے۔ اس معاہدے کی رو سے طے پایا کہ نہ حضورؐ بنو ضمرہ سے جنگ کریں گے اور نہ بنو ضمرہ آپؐ سے جنگ کریں گے، نہ آپؐ کے دشمنوں کی امداد کریں گے۔ (۲۶)

اس طرح "ابوا" امن میں آ گیا، شاید یہ سیدہ آمنہ کے وجود مبارک کی برکت تھی کیونکہ "آمنہ" کے معنی ہیں "جو امن میں آ گئی ہو"۔ چنانچہ سیدہ آمنہ کے وجود مسعود کی برکت سے "ابوا" میں امن آ گیا کیونکہ یہاں وہ ہستی محو خواب تھی جسے اس کے نام کے اعتبار سے بھی امن دیا گیا تھا۔

قبر آمنہ کو بے حرمت کرنے کا ناپاک منصوبہ

سیدہ آمنہ کے نام کی برکت ایک بار پھر ظاہر ہوئی اور معجزانہ طور پر ظاہر ہوئی۔ یہ وقت وہ تھا جب مشرکین مکہ کا لشکر مقتولین بدر کا انتقام لینے کی غرض سے مدینہ پر حملہ کرنے جا رہا تھا۔ یہ لشکر جب "ابوا" کے قریب پہنچا تو ھندہ بنت عتبہ نے جو لشکر کے ساتھ تھی یہ (ناپاک) منصوبہ بنایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ایذا دینے اور مسلمانوں کو ذلیل کرنے کا اس سے بہتر طریقہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ ام محمدؐ کی قبر کو کھود ڈالا جاتے۔ اس کا خیال تھا کہ یہ امر قریش مکہ کے لئے بہت بڑے فخر کا باعث ہو گا کہ انہوں نے مقتولین بدر کا انتقام اس طرح بھی لیا کہ بطل اسلام (حضورؐ پاک) کی ماں کی قبر کو بے حرمت کر دیا۔

ھندہ نے اپنے شوہر ابوسفیان بن حرب سے اپنے اس (ناپاک) منصوبے کا ذکر کیا اور کہا کہ قبر آمنہ کو کھودنے کے نتیجے میں اگر ہمارے کچھ لوگ گرفتار بھی ہو گئے تو میں ان سب کا فدیہ اپنے پاس

سے ادا کر دوں گی۔ ابو سفیان اپنی بیوی کے اس ناپاک منصوبے کی اطلاع پا کر خوفزدہ ہو گیا اور کہنے لگا کہ اس باب کو نہ کھولو (یعنی ایسے فتنے کا آغاز نہ کرو) گویا ابو سفیان نے محسوس کر لیا کہ اگر اس کے لشکر نے اس قبیح ترین اور شرمناک فعل کا ارتکاب کیا تو وہ ابن آمنہ (یعنی حضورؐ اقدس) اور مسلمانوں کے لشکر کے غیظ و غضب کا بہت بری طرح نشانہ بنیں گے (کہ انہیں کہیں پناہ نہیں مل سکے گی) پس مشرکین مکہ کا لشکر سیدہ آمنہ کی قبر کو نقصان پہنچاتے بغیر گذر گیا (اور سیدہ آمنہ امن میں رہیں) (۲۷)

سیدہ آمنہ بیوی کی حیثیت سے

سیدہ آمنہ کو اگرچہ اپنے پیارے اور عزیز شوہر جناب عبداللہؓ کے ساتھ زیادہ وقت گذارنے کا موقع نہیں مل سکا۔ یہ مدت چند روز، دوسری روایت کے مطابق چند ماہ سے زیادہ نہ تھی مگر اس تھوڑی سی مدت ہی میں سیدہ آمنہ کو اپنے شوہر سے غیر معمولی محبت ہو گئی تھی۔ وہ ایک وفا شعار بیوی کی طرح ان کی بڑی قدر داں تھیں۔ سیدہ آمنہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہایت پاکیزہ دل، دوسرے الفاظ میں قلب سلیم عطا ہوا تھا جس پر ان کے شوہر کی محبت اور شخصیت کا نقش اس طرح مرتسم ہوا کہ پھر کبھی نہ مٹ سکا۔

حضرت عبداللہؓ اور سیدہ آمنہ کے خانگی تعلقات میں جو بے مثال ہم آہنگی اور دونوں میں ایک دوسرے کے ساتھ جو شیفتگی پائی جاتی تھی اس میں حضرت عبداللہؓ کی شخصیت اور پاکیزہ کردار کو بھی بہت دخل تھا۔ وہ اپنے غیر معمولی مردانہ حسن و جمال اور شجاعت و مردانگی کے علاوہ اس وقت مکہ کے عظیم ہیرو بن گئے جب ان کے لئے سو اونٹوں کا فدیہ دیا گیا۔ یہ مکہ کی تاریخ کا منفرد واقعہ تھا کہ ایک نوجوان قتل ہونے کے لئے جا رہا تھا مگر مشیت ایزدی نے اسے بچانے کا فیصلہ کیا اور اس کے عوض سو اونٹ ذبح کر دئے گئے۔ اس طرح جناب عبداللہؓ حضرت اسماعیلؑ کے بعد ذبیح ثانی بن گئے یوں ان کی شخصیت میں غیر معمولی کشش پیدا ہو گئی۔

جناب عبداللہؓ کی شخصیت کی اس کشش نے بھی مکہ کی بہت سی نوخیز اور حسین دوشیزاؤں کو ان کا گرویدہ بنا دیا تھا جن میں سے بعض ان سے شادی کرنا اور بعض انہیں اپنی سفلی خواہشات کی تسکین کا ذریعہ بنانا چاہتی تھیں مگر حضرت عبداللہؓ نے بڑے پاکیزہ کردار کا مظاہرہ کیا اور اپنے دامن کو ہر قسم کی معصیت سے محفوظ و بے داغ رکھا۔ ظاہر ہے کہ یہ واقعات سارے مکہ میں مشہور ہو چکے تھے اور سیدہ آمنہ بھی ان سے بے خبر نہ تھیں۔ جب ایسے پاکباز، خوش خصال اور آہنی کردار کے حامل شخص کو ان کے رفیق حیات کی حیثیت سے منتخب کیا گیا تو انہوں نے اپنی خوش بختی پر جتنا بھی فخر و ناز کیا ہو کم تھا۔ پس وہ حضرت عبداللہؓ کو ایک مثالی شوہر سمجھتی تھیں اور ان کی قدر کرتی تھیں ان سے ایک لمحے کی جدائی بھی انہیں گوارا نہ تھی۔ عہد جدید کے بعض عرب مورخوں (۲۸) نے سیدہ آمنہ اور جناب عبداللہؓ کے خانگی تعلقات کا جو دلکش نقشہ کھینچا ہے اگر اس میں سے مبالغہ آمیز حصے نکال بھی دیتے جائیں تو بھی اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ دونوں کے مزاج میں بہت ہم آہنگی تھی، دونوں ایک دوسرے کے سچے قدر داں، سچے رفیق اور ہمدم و ہمراز تھے جنہیں ہم زیادہ صحیح الفاظ میں مثالی میاں بیوی کہہ سکتے ہیں جن کی نجی اور گھریلو زندگی نہایت پر سکون اور جنت کا نمونہ تھی۔

یہی وجہ ہے کہ سیدہ آمنہ نے حضرت عبداللہؓ کی وفات کے بعد چھ سال کی مدت اپنے مرحوم شوہر کی یاد میں بسر کر دی اور دوسری شادی کا تصور تک نہ کیا حالانکہ یہ کوئی گناہ نہ تھا اور نہ کوئی معیوب بات تھی بلکہ عرب عورتیں تو بیوہ ہونے کے بعد یکے بعد دیگرے تین تین شادیاں کرتی تھیں۔ بلکہ شاید بعض نے اس سے بھی زیادہ کی ہوں اور عرب معاشرے میں یہ قطعاً عیب تھا نہ کسی معاشرے میں اسے عیب ہونا چاہیئے۔ حضرت آمنہ تو بیوگی کے وقت بھرپور جوان تھیں، پھر خاندان بھی عالی نسب تھا، اپنے ذاتی اوصاف کے اعتبار سے بھی صاحب شرف تھیں اور معاشرے میں انہیں بہت ہی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ مکہ کے شریف خاندانوں کے خوش خصال نوجوانوں نے پچیس سالہ آمنہ سے شادی کی خواہش کا اظہار نہ کیا ہو مگر جو خاتون رسولؐ معظم کی ماں بننے کا شرف حاصل کر چکی تھی شاید اس نے اپنی شان کے شایاں نہ سمجھا کہ کسی دوسرے مرد کی زوجیت میں جاتی۔ پس سیدہ آمنہ نے

اپنی باقی زندگی بیوگی کی حالت اور اپنے شوہر کی یاد میں گذار دی جسے دنیا کی سب سے عظیم ہستی کا والد گرامی ہونے کا شرف حاصل تھا۔

شوہر کی یاد میں جناب آمنہ کے اشعار

حضرت عبداللہؓ کی وفات کے موقع پر سیدہ آمنہ نے اپنے پیارے شوہر کا جو مرثیہ لکھا تھا اس کے بعض اشعار تاریخ و سیرت کی کتابوں میں محفوظ رہ گئے ہیں۔ ان کے مطالعے سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے شوہر سے کتنی محبت کرتی تھیں اور ان کے اخلاق عالیہ اور صفات کریمانہ کی کس درجہ معترف اور ان سے متاثر تھیں۔ چنانچہ فرماتی ہیں۔

عفا جانب البطحاء من آل ہاشم
وجاور لحدا خارجا فی الغماغم
دعة المنایا دعوة فاجابها
وما ترکت فی الناس مثل ابن ہاشم
عشیة را حوا یحملون سریره
تعاوره اصحابه فی التزاحم
فان یک غالته المنایا وریبها
فقد کان معطاء کثیر التراحم

(۲۹)

(ترجمہ) "(افسوس کہ) آل ہاشم کا ایک فرزند بطحا کو اپنے وجود سے خالی کر کے چادروں میں لپٹا ہوا بہادروں کی طرح بانگ خروش کے ساتھ لحد میں جا سویا۔

موت نے اسے اپنی جانب بلالیا، اس نے موت کی دعوت قبول کر لی موت نے دنیا میں باقی رہ جانے والوں میں سے کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں چھوڑا جسے (عبداللہ کی) نظیر قرار دیا جاسکے۔

رات کو جب اس کا تابوت اٹھایا گیا تو اس کے دوستوں اور غم گساروں کا اتنا ہجوم تھا کہ وہ کاندھا دینے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت کر رہے تھے اور ہر شخص کی کوشش تھی کہ وہ اسے کندھا دینے سے محروم نہ رہ جائے۔"

سید سلمان منصور پوری نے اپنی کتاب "رحمت للعالمین" میں اس شعر کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ:-

"وہ (لوگ) از راہ محبت نوبت بہ نوبت کاندھا بدلتے اور اس کے اوصاف (اوصاف حمیدہ) باری باری بیان کرتے (جاتے) تھے۔"

اگرچہ موت نے اسے ہم سے دور کر دیا (لوگ اس لئے اس کی موت کا ماتم کرتے اور اس پر افسوس کرتے تھے کہ) وہ بہت زیادہ جود وسخا کرنے والا، غریبوں کا ہمدرد اور ان کے ساتھ محبت و مہربانی کا سلوک کرنے والا تھا۔

ان اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ سیدہ آمنہ کے دل پر اپنے شوہر کی محبت کے نقوش کتنے گہرے تھے اور وہ ان کی محبت میں کس قدر سرشار تھیں۔ وہ آخر وقت تک اپنے شوہر کو نہ بھلا سکیں۔ چنانچہ مورخ یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ جناب آمنہ ہر سال اپنے شوہر جناب عبداللہ کی قبر کی زیارت کرنے جایا کرتی تھیں اور آخری بار حضورؐ اقدس کو بھی اپنے ساتھ لے گئی تھیں جب کہ آپؐ کی عمر مبارک سوا چھ سال کی تھی۔ اسی سفر میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ سیدہ آمنہ کی وفات کی وجہ شوہر کا غم تھا جو لحہ بہ لحہ بڑھتا ہی جاتا تھا (اور شاید ان کی قوت مدافعت کم ہوتی جا رہی تھی)۔ آخری بار حضرت عبداللہؓ کی قبر پر جانے کے بعد یہ زخم پھر تازہ ہو گیا اور ان کی وفات کا باعث بن گیا کیونکہ اس بار وہ یہ غم برداشت نہ کر سکیں، واللہ اعلم۔

(۲۶) "طبقات الکبیر"، جلد دوم ص ۸۔ مولفہ محمد بن سعد

(۲۷) "سیدات بیت النبوة"۔ مولفہ ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمن بنت الشاطی (پروفیسر قرآنیات مراکش یونیورسٹی) ص ۱۷۵۔ مطبوعہ قاہرہ۔

(۲۸) بنت الشاطی اور فائد العمر و سر۔

(۲۹) مواہب الدنیہ۔ ص ۲۱۔ علامہ القسطلانیؒ و طبقات الکبیر جلد اول ص ۱۰۰۔ مولفہ محمد ابن سعد۔

("ام رسول صلعم" مصنفہ پیام شاہجہانپوری، ادارہ تاریخ و تحقیق۔ ۲۳ این، عوامی فلیٹس۔ ریواز گارڈن، لاہور۔ قیمت -/۸۰ روپے۔ ص ص ۸۱ تا ۸۷)

تبصرہ

قادیانی مسئلہ اور لاہوری گروپ کی حیثیت (۷)

ختم نبوت اور حضرت بانی سلسلہ احمدیہ

بشارت احمد بقا

ڈاکٹر ایم اے غازی صاحب نے یہ ثابت کرنے کی بڑی بے سود کوشش کی ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت و رسالت کر کے ختم نبوت کے مسلمہ عقیدہ سے صریح انحراف کیا ہے اور اتحاد ملی کی اساس پر ضرب کاری لگائی ہے۔ میں انشاء اللہ العزیز اس باب میں یہ ثابت کروں گا۔ کہ غازی صاحب کا یہ الزام سراسر حقائق کے خلاف ہے۔ بد قسمتی یہ ہے کہ ان صاحب نے جماعت احمدیہ لاہور کے لٹریچر کا مطالعہ کرنے کی کبھی زحمت نہیں کی اور مخالف احمدیت علماء کے لٹریچر پر تمام تر انحصار کیا ہے۔ دوسری بد قسمتی یہ ہے کہ حضرت صاحب کی اسی (۸۰) سے زیادہ تصنیفات ہیں۔ اشتہارات الگ ہیں۔ ملفوظات کی دس ضخیم جلدیں ہیں خطوط کا بہت بڑا مجموعہ ہے۔ غازی صاحب نے حضرت ممدوح کے پیدا کردہ اتنے وسیع لٹریچر میں سے اگر اس حصہ کا مطالعہ مخلی الطبع ہو کر محض احقاق حق کی خاطر کیا ہوتا جس میں آپ نے اپنے دعاوی بالوضاحت بیان فرماتے ہیں اور ختم نبوت کے بارے میں اپنے اعتقاد کا اظہار فرمایا ہے تو شائد انہیں اپنی زیر نظر کتاب کے لکھنے کی چنداں ضرورت ہی نہ پڑتی۔ بہر حال ان کی کتاب سے علم دوست طبقہ میں جو غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں ان کا تدارک کرنا ہم اپنا دینی اور اخلاقی فرض سمجھتے ہیں۔ سب سے پہلے ہم ختم نبوت پر حضرت اقدس کی تحریرات پیش کرتے ہیں۔

(۱) "ایک نبی کے بعد بروقت ضرورت دوسرا نبی آتا تھا۔ پھر جب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں ظہور فرما ہوتے اور خدا تعالیٰ نے اس نبی کریم کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا تو بوجہ ختم نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں یہ ہم و غم رہتا تھا کہ مجھ سے پہلے دین کے قائم رکھنے کے لئے ہزارہا نبیوں کی ضرورت ہوئی اور میرے بعد کوئی نبی نہیں جس سے روحانی طور پر تسلی حاصل ہو اور اس حالت میں فساد امت کا اندیشہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں بہت دعائیں کیں۔ تب خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت دی اور وعدہ فرمایا کہ ہر صدی کے سر پر دین کی تجدید کے لئے ایک مجدد پیدا ہوتا رہے گا جس کے ہاتھ پر خدا تعالیٰ دین کی تجدید کرے گا اور فرمایا اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ یعنی ہم آپ قرآن کی حفاظت کریں گے اور اپنی طرف سے ایسے لوگوں کو بھیجتے رہیں گے کہ جو کمالات نبوت پا کر حق جل و علی اور اس کے بندوں میں واسطہ بن کر راہ راست کی طرف لوگوں کو ہدایت کریں گے" (اقتباس از خط حضرت مرزا صاحب بنام محمد ولی اللہ صاحب دسمبر ۱۸۸۴ء۔ اخبار الحکم ۳۱ مئی ۱۹۰۱ء)۔

(۲) "اللہ تعالیٰ نے جو کمالات سلسلہ نبوت میں رکھے ہیں وہ مجموعی

طور پر ہادی کاملؐ پر ختم ہو چکے اب ظلی طور پر ہمیشہ کے لئے مجددین کے ذریعہ سے دنیا پر اپنا پر تو ڈالتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو قیامت تک رکھے گا۔"

(تقریر مطبوعہ بار دوم انوار احمدیہ پریس قادیان ۱۸۹۹ء)۔

(۳) "بیعت کرنے والے کے لئے ان عقائد کا پابند ہونا ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رسول برحق اور قرآن شریف من جانب اللہ کتاب اور جامع الکتاب ہے۔ کوئی نئی شریعت اب نہیں آسکتی اور نہ کوئی نیا رسول آسکتا ہے مگر ولایت اور امامت اور خلافت کی ہمیشہ قیامت تک راہیں کھلی ہیں۔۔۔ وحی رسالت ختم ہو گئی مگر ولایت و امامت و خلافت کبھی ختم نہیں ہوگی" (اخبار البدر ۱۴ جون ۱۹۰۶ء)۔

(۴) "قرآن کریم بعد خاتم النبیین کے کسی رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا خواہ وہ نیا رسول ہو یا پرانا کیونکہ رسول کو علم دین بتوسط جبریل ملتا ہے اور باب نزول جبریل بہ پیرایہ وحی رسالت مسدود ہے اور یہ بات خود ممتنع ہے کہ رسول تو آوے مگر سلسلہ وحی رسالت نہ ہو" (ازالہ اوہام ص ۷۶۱، ۱۸۹۱ء)۔

(۵) "اللہ کے نام کی قرآن شریف میں یہ تعریف کی گئی ہے کہ اللہ وہ ذات ہے جو رب العالمین اور رحمن اور رحیم ہے جس نے چھ دن میں زمین اور آسمان بنایا اور آدم کو پیدا کیا اور رسول بھیجے اور کتابیں بھیجیں اور سب کے آخر میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا جو خاتم الانبیاء اور خیر الرسل ہے۔"

(حقیقتہ الوحی ص ۱۲۱، ۱۹۰۷ء)۔

(۶) "پھر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہودیوں کے عالموں بلکہ ان کے تمام نبیوں نے بھی یہی سمجھ رکھا تھا کہ آخری نبی بنی اسرائیل میں سے پیدا ہو گا مگر ایسا ظہور میں نہ آیا بلکہ وہ نبی بنی اسمٰعیل میں سے پیدا ہو گیا" (ایضاً۔ صفحہ ۱۶۱)

(۷) "اور اصل حقیقت جس کی میں علیٰ روس الاشہاد گواہی دیتا ہوں یہ ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آتے گا نہ کوئی پرانا اور نہ کوئی نیا" (حاشیہ انجام آتھم ص ۲۷، ۱۸۹۷ء)۔

(۸) "بالآخر پھر میں عامتہ الناس پر ظاہر کرتا ہوں کہ مجھے اللہ تعالیٰ جل شانہ کی قسم کہ میں کافر نہیں ہوں۔ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** میرا عقیدہ ہے اور **ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین** پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت میرا ایمان ہے۔ میں اپنے اس بیان کی صحت پر اس قدر قسمیں کھاتا ہوں جس قدر قرآن کریم کے حروف ہیں اور جس قدر خدا تعالیٰ کے پاک نام ہیں اور جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا تعالیٰ کے نزدیک کمالات ہیں۔ کوئی میرا عقیدہ اللہ اور رسول کے فرمودہ کے خلاف نہیں" (کرامات الصادقین ص ۲۵، ۱۸۹۳ء)۔

(۹) "ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم الانبیاء ہونا بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کو چاہتا ہے۔ کیونکہ آپ کے بعد اگر کوئی دوسرا نبی آجائے تو آپ خاتم الانبیاء نہیں ٹھہر سکتے اور نہ سلسلہ وحی نبوت کا منقطع متصور ہو سکتا ہے"۔ (ایام الصلح ص ۱۲۶، ۱۸۹۹ء)۔

(۱۰) "نبوت کی تمام کھڑکیاں بند کی گئیں۔ مگر ایک کھڑکی سیرت صدیقی کی کھلی ہے یعنی **فنا فی الرسول** کی" (ایک غلطی کا ازالہ نومبر ۱۹۰۱ء)

(۱۱) "ظاہر ہے کہ اگرچہ ایک ہی دفعہ وحی کا نزول فرض کیا جائے اور صرف ایک ہی فقرہ حضرت جبریل لاویں اور پھر چپ ہو جاویں یہ امر بھی ختم نبوت کے منافی ہے کیونکہ جب ختمیت کی مہر ہی ٹوٹ گئی اور وحی رسالت پھر نازل ہونی شروع ہو گئی تو پھر تھوڑا یا بہت نازل ہونا برابر ہے۔ ہر ایک دانا سمجھ سکتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ صادق الوعد ہے اور جو آیت خاتم النبیین میں

وعدہ دیا گیا ہے اور جو حدیثوں میں بصریح بیان کیا گیا ہے کہ اب جبریل بعد وفات رسول اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کے لئے وحی نبوت لانے سے منع کیا گیا ہے یہ تمام باتیں سچ ہیں تو کوئی شخص بحیثیت رسالت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہرگز نہیں آسکتا" (ازالہ اوہام ص ۵۷۷، ۱۸۹۱ء)۔

(۱۲) "علاوہ ان باتوں کے کہ مسیح ابن مریم کے دوبارہ آنے کو یہ آیت بھی روکتی ہے۔ **ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین** اور ایسا ہی یہ حدیث بھی **لا نبی بعدی** یہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ باوجودیکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں پھر کسی وقت دوسرا نبی آ جاتے اور وحی نبوت شروع ہو جاتے۔" (ایام الصلح ص ۴۷، ۱۸۹۹ء)۔

(۱۳) "اور ایسا ہی آپ نے **لا نبی بعدی** کہہ کر کسی نئے نبی یا دوبارہ آنے والے نبی کا قطعاً دروازہ بند کر دیا" (ایضاً ص ۱۵۲)۔

(۱۴) "قولہ۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے لیئے ایک نبی شاہد کی ضرورت ہے

اقول ایسا ہی اس نبی شاہد کی نبوت کیلیئے کسی اور نبی کی ضرورت ہے **وقس علی ھذا** اور ہزار حیف ہے ان لوگوں کے ایمان پر جن کے نزدیک ابھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت نہیں ہوتی بلکہ جب مسیح آتے گا اور گواہی دے گا تب ثابت ہوگی۔"

قولہ۔ مسیح نبی ہو کر نہیں آتے گا امتی ہو کر آتے گا مگر نبوت اس کی شان میں مضمر ہوگی۔

اقول جبکہ شان نبوت اس کے ساتھ ہوگی اور خدا تعالیٰ کے علم میں وہ نبی ہو گا تو بلا شبہ اس کا دنیا میں آنا ختم نبوت کے منافی ہو گا کیونکہ درحقیقت وہ نبی ہے اور قرآن شریف کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا آنا ممتنع ہے"

(ایضاً ص ۱۶۳ - ۱۶۴)۔

(۱۵) "لیکن وہ لوگ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ دنیا میں واپس لاتے ہیں ان کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ بدستور اپنی نبوت کے ساتھ دنیا میں آئیں گے اور برابر پینتالیس برس تک ان پر جبرئیل علیہ السلام وحی نبوت لیکر نازل ہوتا رہے گا اب بتلاؤ کہ ان کے عقیدہ کے موافق ختم نبوت اور ختم وحی نبوت کہاں باقی رہا۔ بلکہ ماننا پڑا کہ خاتم الانبیاء حضرت عیسیٰ ہیں۔"

(تحفۂ گولڑویہ ص ص ۸۳ - ۸۴، ۱۹۰۲ء)۔

(۱۶) "پھر یہ کہنا کہ ان یہودیوں کی اصلاح کے لئے اسرائیلی عیسیٰ آسمان سے نازل ہو گا بالکل غیر معقول بات ہے کیونکہ اول تو باہر سے ایک نبی کے آنے سے مہر نبوت ٹوٹتی ہے اور قرآن شریف صریح طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء ٹھہراتا ہے"۔ (تذکرۃ الشہادتین ص ۱۱، ۱۹۰۳ء)۔

(۱۷) "تمام نبوتیں اور تمام کتابیں جو پہلے گذر چکیں ان کی الگ طور پر پیروی کی حاجت نہیں رہی۔ کیونکہ نبوت محمدیہ ان سب پر مشتمل اور حاوی ہے اور بجز اس کے سب راہیں بند ہیں۔ تمام سچائیاں جو خدا تک پہنچاتی ہیں اسی کے اندر ہیں نہ اس کے بعد کوئی نئی سچائی آئے گی اور نہ اس سے پہلے کوئی ایسی سچائی تھی جو اس میں موجود نہیں۔ اسلیئے اس نبوت پر تمام نبوتوں کا خاتمہ ہے اور ہونا چاہیئے تھا کیونکہ جس چیز کے لئے ایک آغاز ہے اس کے لیئے ایک انجام بھی ہے" (الوصیت ص ۲۰، ۱۹۰۵ء)۔

ہم نے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی کتب، خطوط اور اشتہارات وغیرہ سے سترہ اقتباسات اوپر درج کئے ہیں جو آپ کے سارے زمانہ ماموریت پر حاوی ہیں۔ ان سے روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے۔ کہ حضرت اقدس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقی معنوں میں خاتم الانبیاء اور آخری نبی تسلیم کرتے تھے اور اس کے ساتھ ان کا

یہ عقیدہ بھی تھا کہ وحی نبوت پر بھی قیامت تک کے لیئے مہر لگ چکی ہے اور اب جبرئیل علیہ اسلام وحی نبوت لے کر کسی فرد پر نازل نہیں ہو سکتا۔ مگر ڈاکٹر غازی اور تمام مخالف علماء اور ان کے زیر اثر جمہور مسلمانوں نے باوجود یہ اعتقاد رکھنے کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں نبوت کی ایک کھڑکی کھول رکھی ہے تا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ بحیثیت نبی و رسول آئیں اور ان پر وحی نبوت بھی دوبارہ جاری ہو۔ اس فاسد عقیدہ کے باوجود بھی وہ سمجھتے ہیں کہ ختم نبوت کی مہر نہیں ٹوٹتی۔ اس پر سوائے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ اسے کہتے ہیں الزام ہم ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا۔ ہم بڑے فخر سے یہ کہتے ہیں کہ سارے عالم اسلام میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر کوئی صحیح معنوں میں خاتم الانبیاء یقین کرتا ہے تو وہ جماعت احمدیہ لاہور اور اس کا امام ربانی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی ہے۔ باقی سب کے سب منکر ختم نبوت ہیں۔ کیونکہ وہ یا تو کسی پرانے نبی کے آنے کی امید لگائے بیٹھے ہیں یا ایک کو نیا نبی بنا بیٹھے ہیں اور ہمارے نزدیک دونوں ہی گمراہ ہیں۔ اگر آپ لوگوں کا آئت قرآنی مَا کَانَ مُحَمَّدًا اَبَا اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِکُمۡ وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَ کَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمًا پر کامل ایمان ہے تو پھر حضرت مرزا صاحب اور جمات احمدیہ لاہور کی طرح صاف اقرار اور اعلان کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ کوئی پرانا نبی آ سکتا ہے اور نہ نیا۔ ہم یہ بات کہنے سے نہیں رک سکتے کہ جب تک ڈاکٹر ایم اے غازی حضرت مسیح ناصری کی امت محمدیہ میں آمد ثانی کے قائل ہیں وہ منکر ختم نبوت ہیں اور ان کا یہ ایمان بھی نہیں کہ وحی نبوت پر مہر ختمیت لگ چکی ہے کیونکہ حقیقی نبی کے آنے کا صاف مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ نبوت و رسالت کا خاتمہ نہیں ہوا اور نہ ہی حضرت جبریل کا وحی نبوت لے کر آنا بند ہوا ہے۔ حضرت مرزا صاحب کا امت پر بہت بڑا احسان ہے کہ آپ نے ختم نبوت کا صحیح اور معقول ترین مفہوم بیان فرمایا اور ختم نبوت کے چاروں طرف ایسی باڑ باندھ دی کہ کوئی اس میں رخنہ انداز نہ ہو سکے۔

اب ہم یہ دیکھنا ضروری سمجھتے ہیں کہ آیا حضرت مرزا صاحب واقعی مدعی نبوت ہیں۔ ہم اس سلسلہ میں بھی آپ ہی کے بیانات پیش کرتے ہیں۔ وھو ھذا

(۱) "میں نہ نبوت کا مدعی ہوں اور نہ معجزات اور ملائک اور لیلۃ القدر وغیرہ سے منکر بلکہ میں ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں اور جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے ان تمام باتوں کو مانتا ہوں جو قرآن اور حدیث کے رو سے مسلم الثبوت ہیں اور سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحی رسالت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب محمدؐ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی" (اشتہار مورخہ ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء)۔

(۲) "کیا ایسا بد بخت مفتری جو خود نبوت اور رسالت کا دعویٰ کرتا ہے اور قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہے اور آئت وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ کو خدا کا کلام یقین کرتا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رسول اور نبی ہوں۔ صاحب انصاف طلب کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اس عاجز نے کبھی اور کسی وقت بھی حقیقی طور پر نبوت یا رسالت کا دعویٰ نہیں کیا اور غیر حقیقی طور پر کسی لفظ کو استعمال کرنا اور لغت کے عام معنوں کے لحاظ سے اس کو بول چال میں لانا گو مستلزم کفر نہیں مگر میں اس کو بھی پسند نہیں کرتا کہ اس میں عام مسلمانوں کو دھوکا لگ جانے کا احتمال ہے ۔۔۔ اصل حقیقت جس کو میں علیٰ رؤس الاشہاد گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی

نہیں آئیگا نہ کوئی پرانا اور نہ کوئی نیا" (حاشیہ انجام آتھم ص ۲۷)۔

(۳) "اور اللہ کی قسم میں مامور ہوں اللہ کی طرف سے جس نے بھیجا ہمارے نبی اور سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام لوگوں کی ہدایت کے لیئے اور میں اللہ کی طرف سے جانتا ہوں کہ وہ مجھے ضائع نہیں کرے گا اور اس نے مجھے ولایت کا لباس پہنایا" (آئینہ کمالات اسلام ص ۴۹۰، ۱۸۹۳)۔

(۴) "خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ میں مسلمان ہوں اور ان سب عقائد پر ایمان رکھتا ہوں جو اہل سنت والجماعت مانتے ہیں اور کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا قائل ہوں اور قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہوں اور میں نبوت کا مدعی نہیں۔ بلکہ ایسے مدعی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں" (آسمانی فیصلہ ص ۹، ۱۸۹۱)۔

(۵) "سوال۔ رسالہ فتح اسلام میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔
الجواب۔ نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے"۔ (ص ۴۲۱)

(۶) "میرا نبوت کا کوئی دعویٰ نہیں۔ یہ آپ کس خیال سے کہہ رہے ہیں۔ کیا یہ ضروری ہے جو الہام کا دعویٰ کرے وہ نبی بھی ہو جائے۔ میں تو محمدی اور کامل طور پر اللہ اور رسول کا متبع ہوں اور ان نشانوں کا نام معجزہ رکھنا نہیں چاہتا۔ بلکہ ہمارے مذہب کی رو سے ان نشانوں کا نام کرامت ہے جو اللہ اور رسول کی پیروی سے دیے جاتے ہیں" (جنگ مقدس ص ۶۷، ۱۸۹۳)۔

(۷) "نہ مجھے دعویٰ نبوت و خروج از امت اور نہ میں منکر معجزات اور ملائک اور نہ لیلتہ القدر سے انکاری ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا قائل اور کامل یقین سے جانتا ہوں اور اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی صلعم خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد اس امت کیلیئے کوئی نبی نہیں آئے گا نیا ہو یا پرانا ہو" (نشان آسمانی ص ۲۸، ۱۸۹۳)۔

(۸) "کبھی دنیا میں یہ ہوا ہے کہ کاذب کی خدا تعالیٰ نے ایسی مدد کی ہو کہ وہ ۱۱ برس سے خدا تعالیٰ پر افترا کر رہا ہو کہ اس کی وحی ولائت اور وحی محدثیت میرے پر نازل ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ اس کی رگ جان نہ کاٹے" (آئینہ کمالات اسلام ص ۳۲۳، ۱۸۹۳)۔

(۹) "اللہ تعالیٰ کی عزت و جلال کی قسم ہے کہ میں مومن اور مسلمان ہوں اور میں اللہ پر اس کی کتابوں اور رسولوں اور ملائکہ اور بعث بعدالموت پر ایمان رکھتا ہوں اور یہ بھی مانتا ہوں کہ ہمارے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الرسل خاتم النبیین ہیں اور ان لوگوں نے مجھ پر افترا کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور عیسیٰ ابن مریم کے حق میں کلمات حقارت اور استخفاف کہتا ہے" (حمامتہ البشریٰ عربی ص ۸ ۱۸۹۳)۔

(۱۰) "ایسا ہی اس امت میں بھی انہی کے ہمرنگ اور اس زمانہ کے مشابہ ایک محدث ایسے وقت میں پیدا ہونا ضروری ہے کہ جب یہ امت بھی اسی طور پر بگڑ جائے کہ جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں یہودی بگڑے ہوتے تھے" (شہادۃ القرآن ص ۵۸ ۱۸۹۳)۔

قارئین ملاحظہ فرمائیں کہ اس تحریر میں حضرت مرزا صاحب نے حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے بالمقابل اپنا مقام محدث لکھا ہے نبی نہیں لکھا۔

(۱۱) "جھوٹے الزام مجھ پر مت لگاؤ کہ حقیقی طور پر نبوت کا دعویٰ کیا ہے کیا تم نے نہیں پڑھا کہ محدث بھی ایک مرسل ہوتا ہے کیا قرات ولا محدث کی یاد نہیں رہی پھر یہ کیسی بیہودہ نکتہ چینی ہے کہ مرسل ہونے کا دعویٰ کیا ہے" (سراج منیر ص ۲، ۱۸۹۷)۔

(۱۲) "میں نے دیکھا ہے کہ اس وحی کے وقت جو برنگ ولائیت میرے پر نازل ہوتی ہے ایک خارجی اور شدید الاثر تصرف کا احساس ہوتا ہے" (برکات الدعاص ۱۸۹۳،۱۷ء)۔

(۱۳) "افترا کے طور پر ہم پر یہ تہمت لگاتے ہیں کہ گویا ہم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور گویا ہم معجزات اور فرشتوں کے منکر ہیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہ تمام افترا ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ ہمارے سید و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور ہم فرشتوں اور معجزات اور تمام عقائد اہل سنت کے قائل ہیں" (حاشیہ کتاب البریہ ص ۱۸۹۸،۱۸۲ء)۔

(۱۴) "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ملفوظات مبارکہ اشارات فرمارہے ہیں کہ محدث نبی بالقوۃ ہوتا ہے اگر باب نبوت مسدود نہ ہوتا تو ہر ایک محدث اپنے وجود میں قوت اور استعداد نبی ہو جانے کی رکھتا تھا اور اس قوت اور استعداد کے لحاظ سے محدث کا حمل نبی پر جائز ہے یعنی کہہ سکتے ہیں کہ المحدث نبی" (اسلام کے برکات، ریویو آف ریلیجز، جلد ثانی ص ۱۹۰۴،۱۱۷ء)۔

(۱۵) "میں کھول کر کہتا ہوں کہ وہ شخص لعنتی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا آپ کے بعد کسی اور کو نبی یقین کرتا ہے اور آپ کی ختم نبوت کو توڑتا ہے" (اخبار الحکم ۱۰ جون ۱۹۰۵ء)۔

(۱۶) "ہم نے ان معنوں میں کوئی دعویٰ رسالت نہیں کیا جیسا کہ ملاں لوگ لوگوں کو بہکاتے ہیں اور جو کچھ ہمارا دعویٰ ملہم اور منذر ہونے کا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی متابعت کا ہے وہی ہمیشہ سے ہے۔ آج کوئی نئی بات نہیں۔ ۲۴ سال سے یہ الہام ہے جری اللہ فی حلل الانبیاء" (بدر ۲۴ مئی ۱۹۰۸ء)۔

(۱۷) "اگر خدا تعالیٰ کی تمام کتابوں کو غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ تمام نبی یہی سکھلاتے آئے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو وحدہ لا شریک مانو اور ساتھ اس کے ہماری رسالت پر بھی ایمان لاؤ۔ اسی وجہ سے اسلامی تعلیم کا ان دو فقروں میں خلاصہ تمام امت کو سکھلایا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" (حقیقتہ الوحی ص ۱۹۰۷،۱۱۱ء)۔

(۱۸) "اور پھر ایک اور نادانی یہ ہے کہ جاہل لوگوں کو بھڑکانے کے لیئے کہتے ہیں کہ اس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے حالانکہ یہ ان کا سراسر افترا ہے۔ بلکہ جس نبوت کا دعویٰ کرنا قرآن شریف کی رو سے منع معلوم ہوتا ہے ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا گیا۔" (حقیقتہ الوحی ص ۳۹۰)

محولہ بالا تحریرات سے تمام مخالف علماء کے اس الزام کی پر زور تردید ہوتی ہے کہ حضرت مرزا صاحب مدعی نبوت و رسالت تھے۔ آپ نے واشگاف طور پر یہ اظہار فرمایا کہ مجھ پر جبریل وحی نبوت لے کر نہیں آتے بلکہ مجھ پر وحی برنگ ولائت نازل ہوتی ہے۔

اخبار کا تراشہ

طلاق اور حلالہ قرآن و سنت کی روشنی میں

"سندھ ہائی کورٹ کے ایک فیصلے میں جسٹس شفیع محمدی نے حلالہ کے شرعی حیلے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ "حلالہ سے بے شرمی و بے حیائی" پھیلے گی۔ ایسے علماء کی کمی نہیں جنہوں نے حلالہ کی سخت مذمت کی ہے، مثلاً مسٹر جسٹس مولانا پیر کرم شاہ صاحب نے اس بارے میں کہا ہے کہ "باستثناء چند حضرات، باقی بڑی معصومیت سے انہیں حلالہ کا دروازہ دکھاتے ہیں اور اپنے رسولؐ کی وہ حدیث فراموش کر دیتے ہیں، جس میں نبی اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے کیا جائے، ان دونوں پر اللہ کی لعنت" ۔ فاضل جج کے تبصرے کا یہ حصہ اخبار میں شائع ہونے کے بعد علمائے کرام کے درمیان حلالہ کے جائز اور ناجائز ہونے پر ایک بحث شروع ہو گئی۔ دیوبندی اور بریلوی جن کے درمیان کوئی فقہی اختلاف نہیں پایا جاتا اور دونوں فقہ حنفی کے پیرو ہیں، حلالہ کے جواز کے قائل ہیں۔ حتیٰ کہ نبی اکرمؐ نے جس کام کے کرنے کی صاف اور واضح مذمت فرمائی ہے، اسے نیکی کا کام قرار دیتے ہیں۔ اخباری مناظرے کے دوران بعض حنفی علمائے کرام کے یہ بیانات بھی شائع ہوئے کہ دو گھروں کو بربادی سے بچانے کے لئے حلالہ کرنا نیکی ہے۔ اس کے برعکس اہلحدیث علمائے کرام حلالہ کو درست نہیں سمجھتے، ان کے نزدیک حلالہ سے کوئی مطلقہ اپنے سابق شوہر کے لئے حلال نہیں ہوتی بلکہ قرآن کے ارشاد کے مطابق اگر زندگی کے کسی مرحلے میں دوسرا شوہر بھی اسے کسی حقیقی سبب کی بنیاد پر طلاق دے دے، تب وہ اپنے اس پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے، جس نے اسے تین طلاقیں دی تھیں۔

فاضل جج کے اس تبصرے سے اتفاق کرنا تو مشکل ہے کہ "حلالہ سے بے شرمی اور بے حیائی پھیلے گی" اس کی وجہ یہ ہے کہ حلالہ تو خفیہ طور پر کیا جاتا ہے اور بظاہر اس کی صورت باقاعدہ نکاح کی ہوتی ہے۔ فریقین کے درمیان نکاح کے بعد طلاق دینے پر اگر اتفاق رائے ہو بھی چکا ہو تو اس میں بے شرمی اور بے حیائی کے پھیلنے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ ہمارے زمانے میں بے شرمی اور بے حیائی پھیلانے کے اتنے جدید ذرائع وجود میں آ چکے ہیں کہ ان میں کبھی کبھار خفیہ طور پر کیا جانے والا حلالہ کوئی اضافہ نہیں کر سکتا۔

حلالہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایک شرعی حیلہ ہے، اس کا مقصد ایک ایسے مرد کو قرآن کے قانون طلاق کے نتائج سے بچانا ہے، جس نے اپنی بیوی کو کسی بھی شکل تین طلاقیں دے دی ہوں۔ مگر پھر کسی وجہ سے وہ اس بیوی سے دوبارہ نکاح کا خواہشمند ہو۔ مذہبی رہنما ہر دور اور ہر زمانے میں اللہ کی شریعت کو اپنی حیلہ سازیوں سے مذاق بناتے رہے ہیں۔ یہود کے مذہبی علماء کی اس روش پر تبصرہ کرتے ہوئے قرآن نے کئی مقامات پر انہیں اللہ کی آیات کو تھوڑی سی قیمت پر فروخت کرنے والا قرار دیا ہے۔ مسلمان کی بدقسمتی ہے کہ ہمارا دینی طبقہ بھی اللہ کی آیات کو تھوڑے سے معاوضے کے عوض فروخت کرنے والوں سے خالی نہیں۔ ہماری فقہ کی کتابوں میں "کتاب الحیل" کے عنوان سے ایک پورا باب ہوتا ہے۔ حلالہ بھی اسی "کتاب الحیل" کے عنوانات میں سے ایک عنوان ہے۔

ہمارے معاشرے میں حلالہ کی ضرورت بالعموم اس لئے پیش آتی ہے کہ مرد طلاق دیتے ہوئے ان ہدایات کی پابندی نہیں کرتا جو قرآن میں پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔ قرآن کے احکام کی اس خلاف ورزی کی عموماً دو وجوہات ہوتی ہیں، ایک یہ کہ عام طور پر ہمارے معاشرے میں قرآن کے احکام و ہدایات سے لوگ نا واقف ہیں، نہ علمائے کرام انہیں بتانے اور سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ عوام سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو دین سیکھنے اور سمجھنے کے لئے علماء سے رجوع کریں، اکثریت اسی وقت علماء کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے جب اسے کوئی فتویٰ درکار ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ طلاق عام طور پر شدید غصے کی حالت میں یا شدید خاندانی دباؤ کی صورت میں دی جاتی ہے۔ اس کیفیت میں عموماً مرد تین طلاقیں دینے کا انتہائی قدم اٹھا بیٹھتا ہے لیکن جب جذبات کا ابال ٹھنڈا ہوتا ہے تو اسے اپنی حماقت کا احساس ہوتا ہے، اس کے بعد وہ علماء کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور ان سے مدد کا طلب گار ہوتا ہے۔ فقہ حنفی کے ماننے والوں کے پاس اس مشکل کا ایک ہی حل ہے اور وہ ہے حلالہ یعنی مطلقہ کا کسی دوسرے شخص سے نکاح ہو اور وہ کم از کم ایک بار وظیفہ زوجیت ادا کرنے کے بعد اسے طلاق دے دے۔ فقہ کی اصطلاح میں طلاق سے مشروط اس نکاح کو حلالہ کہا جاتا ہے۔ مرد شرم کے باعث چونکہ کسی کو یہ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوتا کہ وہ اس کی مطلقہ بیوی سے نکاح کر کے اسے طلاق دے دے، اس لئے

وہ اس مشکل کے حل کے لئے بھی انہی سے مدد کا طالب ہوتا ہے جو اس طریقے کے جائز ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ ایسے مواقع پر علمائے کرام اپنے مسلمان بھائی کی مدد کے لئے فوراً آمادہ ہو جاتے ہیں۔

قرآن کی جس آیت سے حلالہ کا جواز نکالا جاتا ہے، وہاں بھی اس کی کوئی گنجائش نہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی واضح الفاظ میں اس حیلے کی مذمت کی ہے۔ سورہ بقرہ کی جس آیت سے استدلال کیا جاتا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے "پھر اگر (دوبار طلاق دینے کے بعد شوہر نے عورت کو تیسری بار) طلاق دے دی، تو وہ عورت پھر اس کے لئے حلال نہیں ہوگی۔ الایہ کے اس کا نکاح کسی دوسرے شخص سے ہو اور وہ اسے طلاق دے دے، تب اگر پہلا شوہر اور یہ عورت دونوں یہ خیال کریں کہ حدود الٰہی پر قائم رہیں گے تو ان کے لئے ایک دوسرے کی طرف رجوع کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں جنہیں وہ ان لوگوں کی ہدایت کے لئے واضح کر رہا ہے جو (ان حدوں کو توڑنے کا انجام) جانتے ہیں"

(سورہ بقرہ آیت ۲۳۰)

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے "احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص محض اپنی مطلقہ بیوی کو اپنے لئے حلال کرنے کی خاطر کسی سے سازش کے طور پر اس کا نکاح کراتے اور پہلے سے یہ طے کر لے کہ وہ نکاح کے بعد اسے طلاق دے دے گا تو یہ سراسر ایک ناجائز فعل ہے، ایسا نکاح، نکاح نہیں ہوگا، بلکہ محض ایک بدکاری ہوگی اور ایسے سازشی نکاح و طلاق سے عورت ہرگز اپنے سابق شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی۔ حضرت علی ابن مسعود، ابو ہریرہ اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہم کی متفقہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طریقے سے حلالہ کرنے اور حلالہ کرانے والے پر لعنت فرمائی ہے" (تفہیم القرآن۔ جلد اول ص ۱۷۶)۔

مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہ نے اپنی تفسیر "تدبر قرآن" میں اس آیت کی وضاحت کرتے ہوتے لکھا ہے "اصل یہ ہے کہ لفظ نکاح شریعت اسلامی کی ایک معروف اصطلاح ہے، جس کا اطلاق ایک عورت اور مرد کے اس ازدواجی معاہدے پر ہوتا ہے جو زندگی بھر کے نباہ کے ارادے کے ساتھ زن و شوہری زندگی گزارنے کے لئے کیا جاتا ہے، اگر یہ ارادہ کسی نکاح کے اندر نہیں پایا جاتا تو وہ فی الحقیقت نکاح ہی نہیں، بلکہ وہ ایک سازش ہے جو ایک عورت اور ایک مرد نے باہم مل کر کر لی ہے۔ نکاح کے ساتھ شریعت نے طلاق کی جو گنجائش رکھی ہے تو وہ اصل سکیم کا کوئی جزو نہیں ہے بلکہ یہ کسی ناگہانی افتاد کے پیش آجانے کا ایک مجبورانہ مداوا ہے، اس وجہ سے نکاح کی اصل فطرت یہی ہے کہ وہ زندگی بھر کے سنجوگ کے ارادے کے ساتھ عمل میں آئے، اگر کوئی نکاح واضح طور پر محض ایک معین و مخصوص مدت تک ہی کے لئے ہو تو اس کو متعہ کہتے ہیں اور متعہ اسلام میں قطعی حرام ہے اس طرح اگر کوئی شخص اس نیت سے کسی عورت سے نکاح کرے کہ اس نکاح کے بعد طلاق دے کر وہ اس عورت کو اس کے پہلے شوہر کے لئے جائز ہونے کا حیلہ فراہم کرے تو شریعت کی اصطلاح میں یہ حلالہ ہے اور یہ بھی اسلام میں متعہ ہی کی طرح حرام ہے۔ جو شخص کسی کی مقصد براری کے لئے یہ ذلیل کام کرتا ہے، وہ درحقیقت ایک قرم ساق یا بھڑوے یا جیسا کہ حدیث میں وارد ہے "کرایہ کے سانڈ" کا رول ادا کرتا ہے اور ایسا کرنے والے اور ایسا کروانے والے پر اللہ کی لعنت ہے۔"

قرآن میں کسی دوسرے شخص سے نکاح کی شرط عائد کرنے کی وضاحت کرتے ہوتے مولانا اصلاحی رقم طراز ہیں۔ "اگر (تیسری) طلاق کے بعد بھی طلاق دینے والے کے لئے اس عورت سے نکاح کی آزادی باقی رہتی تو بہت سے لوگ طلاق کی حقیقی اہمیت نہ سمجھ سکتے۔ لیکن جب یہ پابندی لگ گئی کہ چھوڑی ہوئی بیوی دوبارہ اسی صورت میں مل سکتی ہے جب وہ کسی اور کی بیوی بنے اور وہ اسے کسی سبب سے چھوڑ دے اور عورت اس (سابق شوہر) سے نکاح پر راضی ہو تو گویا بیچ میں ایک پورا ہفت خواں حائل ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ اب اس پابندی کے سامنے آجانے کے بعد جو طلاق دے گا، وہ سو بار سوچ کر طلاق دے گا اور اسلام کا منشا۔ یہی ہے کہ جو بھی طلاق دے، وہ خوب سوچ سمجھ کر طلاق دے، دور تک سارے نتائج کو سامنے رکھ کر۔"

(تدبر قرآن جلد اول ص ۴۹۳، ۴۹۴)

حلالہ کی نیت سے نکاح کرنے والا درحقیقت اللہ کی طرف سے لگائی گئی پابندی کا مذاق اڑاتا ہے اور ان مقاصد کی تکمیل نہیں ہونے دیتا جن کو پیش نظر رکھتے ہوتے قرآن نے یہ پابندی عائد کی ہے۔ مفسرین کی ان وضاحتوں کی روشنی میں دیکھا جاتے تو قرآن سے حلالہ کا جواز پیش کرنا ایک بہت بڑی جسارت نظر آتا ہے"۔

(سید حیدر فاروق مودودی،

روزنامہ پاکستان، ۲۲ جنوری ۹۶ء)۔